کتاب و سنت اور اسلافِ امت کی تعلیمات کا علمبردار

ماہنامہ

اشرف الجرائد
حیدرآباد

Volume:16 Issue:8 August 2023

مدیر

مولانا محمد عبدالقوی

ادارہ اشرف العلوم ٹرسٹ حیدرآباد

www.iauth.in

اشرف الجرائد میں شامل تمام مضامین کی تمام جزئیات سے مدیر کا اتفاق ضروری نہیں

آئینۂ مضامین

اشرف الجرائد کی توسیع واشاعت میں حصہ لے کر اشاعتِ دین کا ثواب حاصل فرمائیں۔ ادارہ



درسِ قرآن

خواتینِ اسلام کو قرآن کی اہم نصیحتیں

از: مولانا سید خواجہ نصیر الدین قاسمی*

أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُوْلٰى وَأَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَاٰتِيْنَ الزَّكٰوةَ وَأَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۭ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا ﴿۳۳﴾ وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ لَطِيْفًا خَبِيْرًا ﴿۳۴﴾ (سورۃ الاحزاب)

ترجمہ: اور اپنے گھروں میں قرار کے ساتھ رہو، اور (غیر مردوں کو) بناؤ سنگھار دِکھاتی نہ پھرو، جیسا کہ جاہلیت کے زمانہ دِکھایا جاتا تھا، اور نماز قائم کرو، اور زکوٰۃ ادا کرو، اور اللہ اور اُس کے رسول کی فرماں برداری کرو۔ اے نبی کے اہل بیت! (گھر والو) اللہ تو یہ چاہتا ہے کہ تم سے گندگی کو دُور رکھے، اور تمہیں ایسی پاکیزگی عطا کرے جو ہر طرح مکمل ہو اور تمہارے گھروں میں جو آیتیں اور حکمت کی جو باتیں سنائی جاتی ہیں، اُن کو یاد رکھو۔ یقین جانو اللہ بہت باریک بین اور ہر بات سے باخبر ہے۔

توضیح: اِن آیات کریمہ کا نزول ازواج مطہرات، امہات المؤمنین کے ایک خاص واقعے میں ہوا ہے، لیکن ان میں جو احکامات اور نصائح آئی ہیں وہ امت مسلمہ کی تمام ہی ماؤں بہنوں اور بیٹیوں کو متوجہ کرتی ہیں، اور اُنہیں بھی اللہ کی محبوب بندی بننے اور گناہوں سے پاکیزگی اور اللہ کے انعام مغفرت پانے کا موقع فراہم کرتی ہیں۔ مگر یہ فائدہ اس وقت حاصل ہوگا جب خواتین اسلام جذبۂ عمل اور رضائے رب کی فکر کے ساتھ ان نصیحتوں پر عمل کرنا شروع کردیں گی، وہ اہم ربانی نصیحتیں یہ ہیں۔

(۱) **وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُوْلٰى:** گھروں میں قرار سے رہو، زمانۂ جاہلیت کی طرح (غیر مردوں کو) بناؤ سنگھار دِکھاتی نہ پھرو، اس سے معلوم ہوا کہ عورت کا اصل مقام اس کا

* مرتب ماہنامہ

گھر ہے، بلاکسی سخت ضرورت کے باہر نہ نکلے اور جب کسی ضرورت سے نکلنا پڑے (مثلاً فریضۂ حج کی ادائیگی، علاج معالجہ، اور شخصی ضروریات، والدین ،عزیز اقارب اور رشتہ داروں سے ملاقات، بیماروں کی تیمارداری، غم زدوں کی تعزیت وتسلی اور گھریلو کاموں میں ایک دوسرے کی مدد واعانت کے لئے باہر جانے پڑے) تو پورے حجاب کے ساتھ نکلیں، برقع پوش ہوکر نکلیں، زیب وزینت کا اظہار نہ کریں،خوش بو لگا کر نہ نکلیں، راستے کے کنارے سے چلیں ،بعض مال دار اور ذی حیثیت گھرانوں کی خواتین برقعہ پہن کر باہر نکلنے کو خلاف شان سمجھتی ہیں اور نوعمر لڑکیاں بھی جو سنِ اشتہا کو پہنچ چکی ہیں کم سنی کے فریب میں بے پردہ باہر نکلتی ہیں، اُنھیں سوچ لینا چاہیئے کہ وہ ایمان والی ہیں تو شریعت کے اس حکم کی پابند ہیں، اس حکم کا حیثیتِ عرفی سے تعلق نہیں ہے۔

(۲) **وَاَقِمۡنَ الصَّلٰوۃَ**: نماز قائم کرو یعنی اپنی زندگی میں نماز کی پابندی کرتی رہو، نماز کی شرائط اور احکام وآداب کا لحاظ رکھتے ہوئے اہتمام کے ساتھ نماز ادا کرو، خواہ تمہیں کوئی ضروری کام ہو نماز ہرگز نہ چھوٹے ، پہلے نماز بعد میں کام کا مزاج بنالو، سستی کاہلی اور غفلت کے ساتھ نماز پڑھنا ،مکروہ اور بے وقت ادا کرنا اللہ کو سخت ناپسند ہے ، اور اس کے لئے پاکی وصفائی کا خاص اہتمام رکھو یعنی وضو اچھی طرح کرو، لباس صاف ستھرا اور اعضائے ستر کو چھپانے والا پہن کر نماز پڑھو۔

(۳) **وَاٰتِیۡنَ الزَّکٰوۃَ**: زکوٰۃ ادا کرو یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے مال دار بنایا ہے تو اہتمام سے اپنے محرم (شوہر، باپ، بیٹے ، بھائی) کے توسط سے علماء سے مسائل معلوم کرکے شرع کے مطابق زکوٰۃ ادا کرو، اور صاحبِ نصاب نہ ہو تب بھی اپنے مال سے کچھ نہ کچھ صدقہ خیرات کرتی رہو۔ اپنی حیثیت کے مطابق جتنا خرچ کرتی جاؤ گی اللہ سے اُس کی شان کے مطابق انشاء اللہ اجر پاؤ گی ۔ **وَمَاۤ اَنۡفَقۡتُمۡ مِّنۡ شَیۡءٍ فَهُوَ یُخۡلِفُهٗ** جو کچھ تم خرچ کروگے اللہ اُس کو لوٹائے گا۔

(۳) **وَاَطِعۡنَ اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ**: اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرو۔ یعنی زندگی کے ہر کام میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکامات کو جانو اور اس کے مطابق عمل کرو، کیوں کہ مسلمان ـــــ خواہ مرد ہو یا عورت ـــــ اس کا کوئی عمل ایسا نہیں ہے جس میں وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی تعلیمات سے آزاد ہوں۔

اِن آیات سے اوپر والی آیات میں دو حکم اور دیئے گئے ہیں، ۱ ایک تقویٰ اور پرہیز گاری اختیار کرو اور ۲ کسی سخت ضرورت ومجبوری کی وجہ سے غیر مردوں سے بات کرنے کی نوبت آئے سیدھی سادی بات کرو، اس میں لچک پیدا نہ کرو، ایسا نرم لہجہ نہ اختیار کرو کہ دوسروں کے قلوب تمہاری طرف مائل ہونے لگے اور تمہیں کسی فتنہ وفساد کا سامنے کرنا پڑے۔ ـــــ (بقیہ صفحہ: ۳۹ پر)

درسِ حدیث



صلہ رحمی

از: حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ*

عَنْ أبی هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم أنّه قال: مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيَصِلْ رَحِمَهُ۔ (رواہ البخاری:6138)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہوا اُسے چاہئے کہ اپنے رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کرے۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مَنْ أَحَبَّ أَنْ يُبْسَطَ لَهُ فِي رِزْقِهِ وَيُنْسَأَلَهُ فِي أَمْرِهِ فَلْيَصِلْ رَحِمَهُ جو شخص یہ چاہے کہ اس کے رزق میں وسعت ہو اور اس کی عمر لمبی ہو۔ اسے چاہئے کہ اپنے رشتہ داروں سے صلہ رحمی کرے۔ (بخاری ومسلم)

صلہ رحمی کا مطلب یہ ہے کہ ان کے ساتھ اچھی طرح پیش آئے ان کے دکھ سکھ میں شامل رہے۔ ان کو کسی مدد کی ضرورت ہو تو جائز طور پر ان کی مدد کرے۔ لیکن صلہ رحمی کے بارے میں چند باتیں ہمیشہ یاد رکھنی چاہئیں:

(1) بعض لوگ رشتہ داروں کی رعایت اس حد تک کرتے ہیں کہ اس کام کے لئے گناہوں کے ارتکاب سے بھی دریغ نہیں کرتے اور اپنے اس عمل کو صلہ رحمی کا حصہ سمجھتے ہیں۔ مثلاً رشتہ داروں کے اصرار پر کسی گناہ میں شریک ہو جانا، ان کی ناجائز سفارش کر دینا یا اُنہیں ایسی ملازمت دلوا دینا جس کے وہ مستحق نہیں ہیں۔ یاد رکھئے! کہ یہ باتیں ہرگز جائز نہیں ہیں اور ''صلہ رحمی'' کا مطلب ہرگز نہیں ہے کہ رشتہ داروں کی خاطر یا ان کی مروت میں گناہوں کا ارتکاب کیا جائے۔ لہٰذا جب کوئی رشتہ دار کسی ناجائز کام کو کہے تو اس سے نرمی کے ساتھ معذرت کر دینا ضروری ہے۔

(۲) دوسری بات یہ ہے کہ صلہ رحمی اس وقت موجب ثواب ہوتی ہے جب اس کا مقصد اپنے رشتے دار کو

اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر خوش کرنا ہو، اگر محض بدلہ، دکھاوا، یا رسموں کی پابندی میں کوئی کام کیا جائے تو اس پر "صلہ رحمی" کی فضیلت حاصل ہونی مشکل ہے۔ ہمارا معاشرہ اس وقت رسموں کے بندھن میں جکڑا ہوا ہے۔ رشتہ داروں کے ساتھ معاملات میں زیادہ تر یہ بات پیش نظر رہتی ہے کہ اگر ایسا نہ کیا گیا تو برادری میں ناک کٹ جائے گی۔ چنانچہ محض رسم پوری کرنے کی خاطر بہت سے کام کئے جاتے ہیں، اندر سے ان کاموں کو دل نہیں چاہتا۔ اس طرح کے خیالات سے پرہیز کرنا چاہئے۔ اور کسی رشتہ دار کے ساتھ جو کوئی نیکی کا معاملہ کیا جائے اس میں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کی نیت کی جائے اور وہ کام خوش دلی سے کیا جائے محض رسم کی خاطر شرما شرمی میں کوئی کام کرنے سے کلی پرہیز کیا جائے۔

(۳) چونکہ "صلہ رحمی" خالص اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے ہونی چاہئے۔ اس لئے دوسری طرف سے اس کے بدلے کا انتظار بھی نہ کرنا چاہئے۔ اور اگر دوسری طرف سے اس کا اچھا جواب نہ ملے تب بھی صلہ رحمی کو چھوڑنا نہیں چاہئے اور در حقیقت یہی بات اس کی علامت ہے کہ صلہ رحمی اللہ کے لئے ہو رہی ہے یا محض دکھاوے اور نام و نمود کے لئے۔

چنانچہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے: لَيْسَ الْوَاصِلُ بِالمكَافِي، وَلَكِنَّ الْوَاصِلَ الَّذِي إِذَا قُطِعَتْ رَحِمُهُ وَصَلَهَا جو شخص صلہ رحمی کرنے والا نہیں ہے جو دوسروں کا بدلہ چکائے بلکہ صلہ رحمی کرنے والا وہ ہے کہ جب دوسرے اس کی رشتہ داری کی حق تلفی کریں۔ تب بھی یہ ان کے ساتھ صلہ رحمی کرے۔ (صحیح بخاری)

حضرت ام کلثوم بنت عقبہؓ روایت کرتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: أَفْضَلُ الصَّدَقَةِ الصَّدَقَةُ عَلَىٰ ذِي الرَّحِمِ الْكَاشِحِ سب سے افضل صدقہ وہ ہے جو بغض رکھنے والے رشتے دار کو دیا جائے۔ (حاکم و طبرانی)

جب رشتہ داروں کی طرف سے اچھا معاملہ نہ ہو رہا ہو اُس وقت ان کے ساتھ حسن سلوک کرنا در حقیقت صلہ رحمی کا کمال ہے۔ اور اس پر بے حد اجر و ثواب کے وعدے ہیں۔ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میرے کچھ رشتہ دار ہیں، میں ان سے صلہ رحمی کرتا ہوں مگر وہ میری حق تلفی کرتے ہیں۔ میں ان سے حسن سلوک کرتا ہوں اور وہ مجھ سے برا سلوک کرتے ہیں میں ان سے بردباری کا معاملہ کرتا ہوں اور وہ مجھ سے جھگڑتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر واقعی ایسا ہے تو گویا تم انہیں گرم راکھ کھلا رہے ہو اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہارے ساتھ ہمیشہ ایک مددگار رہے گا۔" (صحیح مسلم)

یعنی وہ اپنے عمل سے دوزخ خرید رہے ہیں اور تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے خلاف تمہاری مدد ہوگی۔

پیش گفتار

مسلمان، مسلم پرسنل لا، اور کامن سول کوڈ![1]

از: مدیر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ وبہٖ نستعین

اسلام ایک مکمل مذہب اور مستقل تہذیب کا نام ہے، عام مذاہب کی طرح چند عقائد ورسوم سے تعبیر نہیں ہے، عقیدے سے لے کر عبادات تک، معاشرتی، تمدنی اور عائلی مسائل سے لے کر معاملات تک، انفرادی زندگی سے لے کر اجتماعی مطالبات تک تمام امور میں اسلام کے ماننے والوں کے لئے اسلامی احکام وقوانین کی پاسداری لازم اور اس کی خلاف ورزی سخت جرم اور قابل تعزیر عمل ہے۔

ایک زرعی معاملے میں کسی صحابیؓ نے (خطاً) یا منافق نے (قصداً) نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے فیصلے پر اعتراض کیا تو حق تعالیٰ شانہٗ نے فوراً وحی بھیج کر دوٹوک انداز میں خبردار فرمایا:

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا﴿۶۵﴾ (النساء)

نہیں، (اے پیغمبر!) تمہارے پروردگار کی قسم! یہ لوگ اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتے جب تک یہ اپنے باہمی جھگڑوں میں تمہیں فیصل نہ بنائیں، پھر تم جو کچھ فیصلہ کرو اس کے بارے میں اپنے دلوں میں کوئی تنگی محسوس نہ کریں، اور اس کے آگے مکمل طور پر سرِ تسلیم خم کر دیں۔

نکاح کے ایک مسئلے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حکم پر اپنی رائے پیش کرنے کی غلطی پر وحیِ ربانی نے صاف صاف اعلان کیا:

---

[1] مدیر محترم مدظلہٗ کی یہ تحریر سابق میں شائع شدہ ہے، موجودہ احوال کے پیش نظر دوبارہ شائع کی جارہی ہے۔ مرتب

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ۭ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ۝ (الاحزاب)

اور جب اللہ اور اس کے رسول کسی بات کا حتمی فیصلہ کردیں تو نہ کسی مومن مرد کیلئے گنجائش ہے نہ کسی مومن عورت کیلئے کہ اُن کو اپنے معاملے میں اختیار باقی رہے، اور جس کسی نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی، وہ کھلی گمراہی میں پڑ گیا۔

اسی طرح ہر اختلاف ونزاع کی صورت میں مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کی جانب رجوع کرنے کی واضح تاکید کرتے ہوئے ارشاد ربانی ہوتا ہے:

فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ۝ (النساء)

پھر اگر تمہارے درمیان کسی چیز میں اختلاف ہو جائے تو اگر واقعی تم اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہو تو اُسے اللہ اور رسول کے حوالے کردو، یہی طریقہ بہترین ہے اور اس کا انجام بھی سب سے بہتر ہے۔

مذکورہ آیات اور ان کے علاوہ کتاب وسنت کی بے شمار نصوصِ قطعیہ کی روشنی میں پوری امت کے علماء وعوام یہی عقیدہ رکھتے ہیں کہ ہر مسلمان اپنی زندگی کے تمام پہلوؤں میں احکامِ الٰہی اور فرامینِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پابند ہے اور یہ کہ ان کی پابندی میں نجات اور نافرمانی میں ہلاکت ہے؛ بلکہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوری صراحت کے ساتھ ارشاد فرما دیا تھا:

كل امتى يدخلون الجنة الا من أبىٰ، قيل ومن ابىٰ ؟ قال من اطاعنى دخل الجنة ومن عصانى فقد ابىٰ

(بخاری)

میرا ہر امتی جنت میں جائے گا سوائے اس کے جس نے انکار کیا، عرض کیا گیا یا رسول اللہ! انکار کرنے والا کون ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں جائے گا اور جس نے میرا کہا نہ مانا اس نے انکار کیا۔

یہی وجہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے زمانۂ مبارکہ میں تمام صحابۂ کرامؓ کو عملاً احکامِ اسلامی کا پابند رکھا، خلفاء راشدین نے اپنے اپنے عہودِ خلافت میں مسلمانوں پر اسلامی قوانین کو نافذ کیا اور اس کے لئے تشریح و

تبیین کی مجالس قائم کیں، پھر عہدِ تابعین میں تو باقاعدہ طور پر فقہ اسلامی کی تدوین کا عظیم الشان کارنامہ انجام پایا، بہت سے سلاطین نے انہیں نافذ کرنے کا شرف حاصل کیا، بلکہ سلاطین نے دلچسپی لی ہو یا نہ لی ہو تاریخ شاہد ہے کہ مسلمانوں نے علی العموم اس کی پابندی کا اہتمام کیا اور اسی میں نجات سمجھی، یہاں تک کہ غیر مسلم ممالک میں بھی ـــ جہاں وہ نہایت ہی محدود تعداد اور مغلوب حالت میں ہوا کرتے تھے ـــ اپنے مسائل ومعاملات میں دینی احکام کی خلاف ورزی اور اسلامی تعلیمات سے عدول گوارا نہیں کیا، کیوں کہ قرآن نے جب اس کے بغیر ایمان ہی کو رد کر دیا تو وہ اس کی مخالفت کی جرأت کیسے کر سکتے تھے؟

چناں چہ مولانا مناظر احسن گیلانیؒ نے اپنی کتاب ''ہزار سال پہلے'' میں معتبر سیاحوں کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ ہندوستانی رجواڑوں میں جہاں کچھ مسلمان آباد تھے باوجود یہ کہ وہ معدودے چند ہوتے مگر راجاؤں نے ان کے قضایا اور نزاعات کے اسلامی حل کے لئے کسی واقف احکام مسلمان ہی کو متعین کیا ہوا تھا، یہ اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ مسلمانوں نے ہر زمانے اور ہر علاقے میں حکم رانوں اور حکم رانی کے احترام کے باوجود اپنے دین اور پرسنل لا کے معاملے میں کوئی سمجھوتہ قبول نہیں کیا، اور منصف ودانش مند حکمرانوں نے بھی مسلمانوں کے اِس معقول جذبے کا پورا احترام کیا۔

پھر جب اسلامی فتوحات عالم کے طول وعرض میں پھیلتی چلی گئیں، ہندوستان کے مختلف خطّے اور بالآخر پورا ہندوستان مسلمانوں کے زیرنگیں ہوگیا تو اسلامی ہند کے ادوار میں بھی مسلم حکم رانوں نے جہاں ملک کے تمام اہلِ مذاہب کو ان کے مذہب وتہذیب پر قائم رہنے کی آزادی دی وہیں مسلمانوں کے لئے دار القضاء اور شرعی فیصلوں کا مکمل انتظام کیا، تا آں کہ مسلمان اپنے مذہب کی بنیادی ہدایت کے مطابق مذہبی امور اسلامی تعلیمات کی روشنی میں طئے کر سکیں اور نزاع واختلاف کا حل فقہ اسلامی کے مطابق نکل آئے۔

مسلمانوں کے چھ سو سالہ اقتدار کا خاتمہ انگریزی تغلُّب وتسلُّط کی صورت میں جب ظاہر ہوا تب بھی مسلمانوں نے اپنے کو دینی مسائل اور مذہبی احکام کا پابند رکھنا ہی پسند کیا، ـــ دراں حالے کہ انگریزوں کی شاطرانہ ومکارانہ پالیسیوں نے ملک میں کرسچن ازم کو غالب کرنے اور اہل ملک کو عیسائی مذہب کا تابع کرنے کی ہر ممکن کوشش کی تھی ـــ علماء کرام اپنے موقف پر ڈٹے رہے اور غیرت مند مسلمان اُن کی مساعی اور مقابلوں کا ساتھ دیتے رہے۔ چناں چہ انگریزوں نے جب دار القضاؤں کو برخواست کر کے اُن کے معاملات کو عام عدالتوں کے تابع کر دیا تب بھی مسلمانوں کے حق میں شرعی قوانین کے مطابق فیصلوں کی مراعات برقرار رہیں، تاہم رفتہ رفتہ مسلم پرسنل لا کا دائرہ محدود کیا جاتا رہا، تعبیرات بھی تبدیل ہوتی رہیں جن کی تفصیل کا یہ موقع نہیں۔

اہل اسلام کی بڑی قربانیوں اور بے مثال استقامت کے بعد وہ وقت بھی آیا کہ غیر ملکی فرنگیوں کو ہندوستان سے بے دخل ہونے اور اپنے وطن لوٹ جانے کی سوچنا پڑا، ان کا دوصد سالہ سیاہ اقتدار بلکہ استبداد بوریا بستر ا لپیٹ کر اور اپنا منہ لے کر واپس ہوگیا، ساتھ ہی ہندوستانی مسلمان دونظریوں اور دوملکوں میں تقسیم ہوگئے، جن علماء کرام نے نظریۂ پاکستان کی تائید کی انہوں نے اسی دینِ اسلام کے تحفظ اور احکامِ شریعت کے نفاذ کی امید پر کی، جنہوں نے ہندوستان میں رہنے اور ترک وطن نہ کرنے کا عزم مصمم کیا تو انہوں نے اسی اُمید پر کیا کہ ان کی اپنے اقدار و آثار اور احکام سے وابستگی کسی قیمت پر ختم نہیں کی جائے گی، وہ اپنے وطن میں اپنے دین پر چلنے اور ان سے چمٹے رہنے کے لئے آزاد ہوں گے اور کوئی حکومت انہیں اپنے پرسنل لا سے دست برداری کے لئے مجبور نہیں کرے گی؛ جب کہ اس وقت کے قدر آور سیاسی قائدین نے بھی اس کا تیقن دیا تھا۔

ملک کی آزادی کے بعد دستورِ ہند کی تیاری ہوئی، بجا طور پر کہا جاتا ہے کہ یہ دستور دنیا کا سب سے مفصل اور مکمل قانون نامہ ہے، خصوصاً بنیادی حقوق ـــــ جن میں ہندوستانی اقوام کے تعدُّد اور مذہبی وتہذیبی تنوع کو قوانین کی تدوین میں حتی المقدور ملحوظ رکھا گیا ـــــ واقعی قابلِ تعریف ہیں؛ دستور ہند کی دفعات ۲۵، ۲۶ اور ۲۹ نے مذہبی، لسانی، تہذیبی اور تعلیمی وتبلیغی حتیٰ کہ زبان کے رسم الخط کی آزادی عطا کرتے ہوئے انہیں ملک کے شہریوں کا بنیادی حق قرار دیا ہے، ان بنیادی حقوق کے حاصل ہونے سے تمام اہل مذاہب مسرور و مطمئن ہوئے اور ہیں۔

دستورِ ہند میں ایک حصہ ایسا بھی ہے جو معمارانِ دستور کی جانب سے مملکتِ ہند کے حکم رانوں کی فکری راہنمائی پر مشتمل ہے، جس کے بارے میں صراحت کی گئی ہے کہ یہ "مملکت کی حکمتِ عملی کے لئے ہدایتی اصول" ہیں، اور جن کو "کوئی عدالت نافذ نہ کر سکے گی"، مگر وہ "ملک کی حکم رانی کے لئے بنیادی" حیثیت کی حامل اور مملکت کے فرائض میں داخل ہیں، یہ ہدایتی اصول یا راہنمایانہ خطوط دستور ہند کی دفعہ ۳۶ تا ۵۱ پر مشتمل ہیں، ان میں سے بیشتر پر عمل یا تو عملاً متعذر رہے یا تا ہنوز عمل میں نہیں آسکے ہیں؛ مثلاً دفعہ ۴۵ کے تحت کی گئی سفارش کہ

"مملکت اس آئین کے تاریخ نفاذ سے دس سال کی مدت کے اندر سب بچوں کو چودہ سال کی عمر پوری کرنے تک مفت اور لازمی تعلیم دینے کی توضیع کرنے کی کوشش کرے"

جب کہ دس برس میں تو کیا آج چھ دہائیاں گذر جانے کے بعد بھی مملکت اس ہدایت کی تکمیل میں ناکام ہے، دستور کی اسی دفعہ پر تبصرہ کرتے ہوئے سہ لسانی ایڈیشن کے مرتب نے تحریر کیا ہے:

''اگرچہ انی کرشنن والے معاملے میں سپریم کورٹ کے فیصلے کے تحت بچوں کو چودہ سال تک مفت اور لازمی تعلیم کے دینے کی بات کو بنیادی حق کا درجہ حاصل ہوگیا........اس کے باوجود آج بھی ہمارے ملک کے بچوں کی اچھی خاصی تعداد تعلیم سے محروم ہے اور پانچ سے چودہ سال کے گروپ میں کم سے کم 50 فی صدی بچے اسکول نہیں جاتے''

(بھارت کا آئین سہ لسانی ایڈیشن ص:۲۲۶، مطبوعہ ۲۰۱۴)

اسی طرح دفعہ ۴۷ میں غذائیت کی سطح اور معیارِ زندگی بلند کرنے سے متعلق ہدایت میں کہا گیا:

''.........اور خاص طور سے مملکت اس بات کی کوشش کرے گی کہ طبی اغراض کے سوا نشہ آور مشروبات اور مُضر صحت مُفر دادویہ کے استعمال کی ممانعت کرے''

کیا ملک میں ہر قسم کی شرابوں اور ڈرگس پر قابو پالیا گیا ہے یا دن بہ دن نوجوان اس لعنت میں مبتلا ہوتے چلے جارہے ہیں اور اس کی نحوست سے چند در چند بُرائیاں اور بیماریاں وجود میں آرہی اور سماج کو تباہ کرکے رکھ رہی ہیں؟

اسی طرح تمام افراد اور علاقوں کے درمیان آمدنی کے عدم توازن کو اور حیثیتوں سہولتوں اور مواقع کے عدم توازن کو دور کرنے والی ہدایت (۳۵-۲) پر عمل درآمد کا معاملہ ہے، نیز تمام طبقات کے لئے قانونی امداد اور حصولِ انصاف کو اس قدر مفت اور سہل بنانا کہ ملک کے کسی شہری کو محرومی کا احساس نہ ہو (۳۹ الف) وغیرہ کو اگر بہ نظر انصاف دیکھا جائے تو پتہ چلے گا کہ مملکت ابھی تک ان میں سے بیشتر ہدایات پر یا تو قابو نہیں پاسکی یا کماحقہ عمل درآمد نہ کرسکی، وجوہات اس کی جو بھی ہوں۔

تاہم ان ہدایات میں سے حکومتوں اور عدالتوں کو سب زیادہ فکر جس ہدایت کی ہے وہ دفعہ ۴۴ ہے، یعنی کامن سول کوڈ کی دفعہ

''مملکت یہ کوشش کرے گی کہ بھارت کے پورے علاقہ میں شہریوں کے لئے یکساں سول کوڈ کی ضمانت ہو''

رہ رہ کر یہ مسئلہ کسی نہ کسی گوشے سے اٹھایا جاتا ہے اور اس کا سب سے زیادہ مستحق مسلمانوں کو سمجھا جاتا ہے، کہا یہ جارہا ہے کہ ''مسلم پرسنل لا''[1] کی وجہ سے مسلمانوں بالخصوص ان کی عورتوں کے ساتھ بڑی ناانصافی

[1] جس کا دائرہ محدود ہوتے ہوتے اب صرف چند معاشرتی وعائلی امور نکاح وطلاق، ایلا وظہار، فسخ نکاح، نفقہ ومہر، حضانت واوقاف اور وصیت ووراثت وغیرہ تک محدود ہے۔

ہو رہی ہے، اس لئے جلد از جلد دفعہ ۴۴ کی ہدایت پر عمل کے لئے قانون کی توضیع ہونا چاہئے اور ملک میں یکساں شہری قانون نافذ کر دیا جانا چاہئے۔

•••

مگر اس مطالبے کو بار بار دُہرانے والوں نے کیا کبھی اس پر غور کیا کہ ۱ء ایسے کسی اقدام سے جب ملک کی تمام اقوام متاثر ہوں گی اور اُن کے پرسنل لاز اور تہذیبی شناختیں ختم ہوں گی، ان کی مذہبی وتہذیبی آزادی کا بنیادی حق سلب ہوگا تو یہ منصوبہ اقوامِ ملک کے لئے قابلِ قبول ہوگا بھی یا نہیں؟ ۲ء جب ہدایتی اصول اور بنیادی حقوق میں تصادم ہوتو یہ مطالبہ کیوں کر ممکن العمل ہوگا؟ کیوں کہ خود دستورِ ہند میں شہریوں کو عطا کردہ ''بنیادی حقوق'' کی دفعات ۲۵ اور ۲۲۵ پرسنل لاز کو تحفظ دے رہی ہیں تو ان کی موجودگی میں ''ہدایتی اصول'' کی دفعہ ۴۴ پر عمل کیسے کیا جا سکتا ہے؟ ۳ء میزو اور ناگا قوم جنہیں دستوری ترمیم کے ذریعے خصوصی موقف عطا کیا گیا ہے کیا اب وہ اپنے استثنائی موقف سے دستبردار ہونے کے لئے تیار ہو جائیں گی؟ ۴ء یہ مسئلہ اٹھانے والوں اور حکمرانوں کو معمارانِ دستور کے سفارش کردہ تقریباً تیس ہدایات میں سے اسی ایک ہدایت کو روبہ عمل لانے کی سب سے زیادہ فکر کیوں ہے؟ کیا مسلم خواتین کے ساتھ ہونے والی سماجی ومعاشرتی زیادتیوں کا صرف یہی ایک حل ہے کہ انہیں ان کے مذہب کی پابندی سے نکال لیا جائے؟

ہمارا تجربہ اور جائزہ تو یہ بتلاتا ہے کہ مذہبی احکام کی پابندی اور اسلامی قوانین کی حکمتِ عملی نے ہی انہیں بہت حد تک سماجی مسائل اور عائلی مظالم سے محفوظ رکھا ہوا ہے، اس سے آزادی کے بعد وہ حیوانیت کی اسفل سے اسفل سطح پر تو اُتر سکتی ہیں مگر انسانیت کے احترام کو کبھی نہیں پا سکتیں، یورپ کی صورتِ حال ہمارے اس خیال کی روشن دلیل ہے، علاوہ ازیں مسلم خواتین کی مظلومیت پر ترس کھانے والوں کو دیکھا یہ جا رہا ہے کہ ان کے کسی اور مسئلے سے کوئی خاص دل چسپی نہیں ہے، اسی مسئلے میں آگے آتے اور ہمدردی جتاتے ہیں، جس کا صاف مطلب یہی ہے کہ مسئلہ مظلوم خواتین کا نہیں ہے بلکہ مسئلہ صرف پرسنل لاز کو ختم کر دینے کا ہے جو نام نہاد ترقی واتحاد کے دعویداروں کی آنکھ کا سب سے بڑا کانٹا ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ اس مطالبے کا اصل سبب یکجہتی واتحاد کو فروغ دینا ہے تو وہ اس لئے باطل ہے کہ ملک میں جب مسلم پرسنل لا کا دائرہ اس سے بھی زیادہ وسیع تھا اور مسلمان آج سے بھی زیادہ راسخ الاعتقاد تھے تب آج کے مقابلے میں یکجہتی و بھائی چارگی کہیں زیادہ پائی جاتی تھی، اتحاد و یکجہتی کے لئے کامن سول کوڈ کے بجائے وسعتِ ظرفی اور تحمل مزاجی کی ضرورت ہے، بدگمانیوں کو ختم کرنے اور سماجی ومعاشرتی رابطوں کو جوڑنے اور دوریوں کو حق گوئی کے ذریعے ختم کرنے کی ضرورت ہے، یکساں سول کوڈ کا اس

میں کوئی رول نہیں ہوسکتا! کیا امریکن اقوام ہر اسٹیٹ کا قانون علاحدہ ہونے کی باوجود متحد نہیں ہیں؟ اور کیا دنیا کی دو بڑی جنگیں دونوں فریقوں کا ایک ہی مذہب اور ایک ہی قانون ہونے کے باوجود وجود میں نہیں آئیں؟

اس لئے ہمارا ماننا یہ ہے کہ انصاف اور تدبُّر کی روشنی میں دیکھا جائے تو اہلِ ملک کو یکساں سول کوڈ کی کوئی ضرورت نہیں ہے، ضرورت اقوام کے درمیان پیدا کردہ دوریوں کو ختم کرنے اور غلط فہمیوں کی دیوار عالی ظرفی و بلند نگاہی کے ذریعے گرا دینے کی ہے!



یہ کس قدر افسوسناک حقیقت ہے کہ مذہبی تعلیم سے دوری اور اسلامی تعلیمات سے بے خبری نے ''یکساں سول کوڈ'' کے ہر مطالبے کے پیچھے کسی مسلمان ہی کو کھڑا کیا ہے۔ ایک سے زائد شادیوں پر پابندیوں کے مطالبے سے لے کر شاہ بانو کیس تک اور اب سپریم کورٹ میں جاری مقدمے میں بھی مسلمان ہی اسلامی احکام اور مسلم پرسنل لا کے محاذی ومخالف دکھائی دیتے ہیں، جب بھی کوئی واقعہ طلاق، نفقہ، تعددِ ازواج وغیرہ سے متعلق سامنے آتا ہے حکومت اور عدالت کو تو ''کامن سول کوڈ'' کی دستوری ہدایت یاد آہی جاتی ہے، میڈیا کو بھی ان موضوعات پر تبصرے مباحثے اور مناظرے کرانے میں خوب مزہ آتا ہے؛ یہ پھر بھی کچھ تعجب کی بات نہیں کہ بے چارے مسلم پرسنل لا کی حقیقت وحکمت سے بے خبر ہیں تعجب تو اس پر ہے کہ ہر ایسے موقع پر علمِ دین اور اصولِ اسلام یعنی مقاصد شریعت ومصالحِ فقہیہ سے بالکل کورے نام نہاد تعلیم یافتہ لوگ اظہارِ خیال اور اعلانِ آراء کرنا شروع کردیتے ہیں، اور حدیث کے مطابق اعجاب کل ذی رأی برأیه کے مصداق بن کر منظر عام پر آجاتے ہیں، اس سے بڑھ کر افسوسناک بات یہ ہے کہ ہماری سلفی برادری بھی بہتی ندی میں ہاتھ دھو لینے کے لئے طلاقِ ثلاثہ کے سلسلے میں جمہور صحابہ وتابعین وفقہاء مجتہدین کے اجماع کے مقابلے میں اپنے مرجوح ومتفرد موقف کا پرچار واظہار شروع کرنے لگتے ہیں، حالاں کہ یہ موقع تو اپنے اختلاف کو بازو رکھ کر ملی مفاد اور جمہور کے مسلک کو بچانے کا ہوتا ہے، کیا وہ اتنا نہیں جانتے کہ ایسے مواقع پر مباحثِ خلافیہ کو اُٹھانا مسلم پرسنل لا کو مٹانے میں مدد کرنے کے مترادف ہے۔ فیاللعجب ویاللاسف!

آخر میں ایک گذارش برادرانِ اسلام سے اور ایک برادرانِ وطن سے کرنے کو جی چاہتا ہے:

برادرانِ اسلام سے تو یہ عرض کرنا ہے کہ اسلامی احکام سے بے اعتنائی بالخصوص مسئلہ طلاق میں بے راہ روی سے سماج کو پاک کیجئے، ساری آزمائشیں دینُ اللہ کی تنقیص اور اس کے ساتھ لاپروائی کا معاملہ کرنے سے پیش آتی ہیں، جب تک ہم مسلمان اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احکام کی پیروی کرتے اور مسائل دینیہ کا

احترام، ان پر عمل، اور ان کی تبلیغ کرتے رہے اس طرح کی آزمائشوں سے محفوظ رہے، اللہ تعالیٰ کی مدد یں آسمانوں سے اُترتی اور ہماری مشکلات کو دور کرتی رہیں، جب سے ہم نے دینِ اسلام سے اپنا رشتہ کمزور اور احکامِ اسلام پر عمل کم تر کردیا ہے قسم قسم کے مصائب ومشکلات میں گھرتے چلے جارہے ہیں۔

طلاق اسلام میں ایک ناگزیر ضرورت کا درجہ رکھتی ہے، موضوعِ مذاق نہیں ہے، نہ طلاق زوجین کی باہمی نزاع وخلاف کا پہلا حل ہے، افہام وتفہیم، خفگی وناراضگی، ہلکی سی سختی ودوری ابتدائی مراحل ہیں، ان سے کام نہ چلے تو دونوں جانب کے ایک ایک صاحبِ فہم وعلم کے سامنے اپنی شکایات پیش کرکے ان کی تحکیم کا انتظار کرنا اور اسی میں خیر سمجھنے کا حکم ہے، اور جب ہر تدبیر سے عاجز ہوجائے تو بھی اسلام کی ترغیب اور قرآن کریم کی راہنمائی یہ ہے کہ بیوی کی خامیوں اور خرابیوں سے چشم پوشی اور اس کی خوبیوں پر نظر کرتے ہوئے صبر سے کام لے لیا جائے، امید ہے کہ حق تعالیٰ دارین میں اس کا بہتر اجر عطا فرمائیں گے؛ لیکن اگر معاملہ ایک دوسرے پر ظلم اور حق تلفی کی حد تک پہونچ رہا ہو تو پھر مرد طلاق دینے یا عورت طلاق طلب کرنے کا حق استعمال کرسکتی ہے، قرآن وحدیث کی روشنی میں فقہائے کرام نے طلاق کا سب سے بہتر طریقہ یہ ذکر فرمایا ہے کہ عورت کو ایسی پاکی کی حالت میں جس میں اس کے ساتھ جماع نہ کیا ہو صرف ایک طلاق دے دے، پھر اگر اپنے اس اقدام پر پچھتاوا ہو تو عدت (تین ماہ واری، یا تین ماہ) ختم ہونے سے پہلے عمدہ طریقہ پر رجوع کرلے اور اگر علاحدہ کرنا ہی مناسب سمجھتا ہے تو عدت گذر جانے کے بعد خود بہ خود علاحدگی ہوجائے گی اور زوجین ایک دوسرے لئے اجنبی ہوجائیں گے، غور کیجئے کہ عورت کو طلاق دینے کے اس احسن وافضل طریقے میں تین طلاقیں تو دور کی بات ہے دوسری طلاق کی بھی ضرورت نہیں پڑتی۔

پھر اس میں بھی یہ ہدایت ہے کہ یہ علاحدگی بھی الزامات واتہامات کے ناخوش گوار ماحول میں نہ ہو بلکہ مجبوری اور ضرورت کے عذر اور افسوس کے اظہار کے ساتھ ہونی چاہیئے، بلکہ بہتر ہے کہ کچھ داد ودہش اور عزت واکرام کے ساتھ ہونی چاہیئے، اب ذرا سوچیئے کہ ازدواجی زندگی کی ناخوش گواریوں سے نجات کا اس سے بہتر کیا نظام ہوسکتا ہے جو کتاب وسنت کی روشنی میں فقہاء اسلام نے واضح کردیا ہے۔

یہ جو ہمارے زمانہ میں صبر وحلم اور عقل وفہم سے درجہ بہ درجہ تمام مساعیٔ اتفاق واتحاد سے گذرنے کے بجائے جہل وحماقت اور طیش وغیظ کی راہ پر چلتے ہوئے ذرا ذرا سے معاملات اور معمولی اختلافات پر طلاق کا لفظ زبان پر لے آنے اور انتہائی تحقیر واہانت بلکہ ظلم وزیادتی کے ساتھ علاحدہ کرکے عورت کو بے سہارا کردینے اسی طرح عورت یا اس کے گھر والوں کی جانب سے چھوٹے موٹے قضیوں اور بے حیثیت جھگڑوں میں خلع لینے اور مقدمات

ومکدّر رات میں گھسیٹنے کے دعوؤں کا رواج چل پڑا ہے اس نے ہمارے سماج کو مظلوم ومذموم بنا کے رکھ دیا ہے، اس میں احکامِ اسلامی کا کوئی قصور نہیں ہے، اسی وجہ سے ضرورت اس بات کی ہے کہ مسلمانوں کے بگڑے ہوئے سماج کو درست کرنے کی فکریں کی جائیں نہ کہ احکامِ اسلام کو بدلنے یا کامن سول کوڈ کا مطالبہ کرنے کی!

اور جو بات برادرانِ وطن سے کہنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ جس طرح کسی بھی قانون کی تشریح اور اس کی حکمت اس قانون کے ماہرین ہی بتلا سکتے ہیں کیوں کہ انہیں کے سامنے کلّیات وجزئیات کی تفصیل ہوتی ہے، ایک عام آدمی شخصی مطالعے کے ذریعے اس قانون کی واقعیت یا لغویت کا فیصلہ نہیں کرسکتا؛ اسی طرح مذہب اور اس کے احکام کی تشریح اس مذہب کے علماء وفقہاء ہی کر سکتے ہیں، کیوں کہ وہی ان احکام کے اسباب وعلل اور مصالح و حِکَم کے جاننے والے ہوتے ہیں، اس لئے مسلم پرسنل لا کی ضرورت وعدمِ ضرورت کے سلسلے میں مسلمانوں کے مؤقر علماء سے تبادلۂ خیال اور ماہرینِ فقہ کا موقف معلوم کئے بغیر عوام الناس کی آراء یا اپنی ہمدردیوں کی بنیاد پر کوئی فیصلہ کرنا اس مذہب کے ماننے والوں کی حق تلفی کہلائے گی، اسلام میں عقیدہ وعمل کی بہت نزاکتیں اور حساس مصلحتیں ہیں، بعض دفعہ معمولی درجے کی بے پروائی بھی نفس ایمان کے سلب ہونے کا سبب ہوجاتی ہے؛ جن غیر مسلم بھائیوں نے سوریہ نمسکار، وندے ماترم، بھارت ماتا کی جئے جیسے اہم موضوعات پر اپنے اشکالات اکابر علماء اسلام کے سامنے رکھے اور بات سمجھنے کی سنجیدہ کوشش کی وہ نہ صرف مسلمانوں کے موقف سے مطمئن ہوئے بلکہ اپنی غلط فہمی کے معترف بھی ہوئے؛ حد یہ ہے کہ انہوں نے مسلمانوں کے انکاری موقف کی تائید بھی کی۔

حاصل یہ ہے کہ اشکالات واعتراضات کا حل سنجیدہ ماحول میں تبادلۂ خیال سے ہوا کرتا ہے جذباتی رد سے نہیں ہوتا؛ اس لئے ہر کسی بات کو براہ کرم مسلمانوں کی ضد ومخالفت سے تعبیر نہ کریں علماء اسلام سے رجوع کر کے دیکھیں؛ ماضی میں ملک کا ماحول ایسا ہی تھا، اہلِ مذاہب کے درمیان تال میل، حسن ظن اور شیریں تعلقات کی وجہ سے وہ آپس میں بلاتکلف ان باتوں پر تبادلۂ خیال کرلیا کرتے تھے اور اسی وجہ سے اپنے اپنے مذاہب اور تہذیبوں پر عمل درآمد کرتے ہوئے بھی باہم شیر وشکر تھے، مذاہب اور تہذیبوں کا اختلاف باہمی یکجہتی و بھائی چارگی اور امنِ عام کے متأثر ہونے کا سبب کبھی نہیں بنا، مگر جب سے بدگمانیوں، غلط فہمیوں اور دوریوں کا ماحول بعض مخصوص نظریات کے حاملوں کی طرف سے بنایا جارہا ہے تب سے اقوامِ ہند کی بے مثال ولازوال یکجہتی دم توڑ رہی ہے اور فرقہ واریت کا عفریت مضبوط ہوتا جارہا ہے جو اس ملک کے لئے ہر نقصان سے بڑا نقصان اور ہر خطرے سے بڑا خطرہ ہے؛ خدا کرے کہ ہر فرقے کے سنجید افراد اس عفریت کے مقابلے اور خاتمے کے لئے کھڑے ہوجائیں۔

گوشہ سیرت

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خاندان اور رشتہ داروں کو دعوتِ دین

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب وَاَنۡذِرۡ عَشِيۡرَتَكَ الۡاَقۡرَبِيۡنَ ﴿۲۱۴﴾ وَاخۡفِضۡ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ﴿۲۱۵﴾ یہ آیات نازل ہوئیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کہ مجھے لگا کہ اگر میں یہ بات سب سے پہلے اپنی قوم سے بتاؤں تو مجھے ان کے ناروا سلوک کا سامنا کرنا پڑے گا، اس لئے میں خاموش ہو گیا، جبرئیل علیہ السلام آ گئے اور کہنے لگے کہ اے محمد! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اگر آپ اپنے رب کا حکم نہیں مانیں گے تو وہ آپ کو سزا دے گا، حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے بُلایا اور کہا کہ علی رضی اللہ عنہ! اللہ تعالیٰ نے مجھے قریبی رشتہ داروں کو عذاب سے ڈرانے کا حکم دیا ہے، مجھے لگا کہ اگر میں سب سے پہلے اپنی قوم کو اس امر سے آگاہ کروں گا تو وہ مجھ سے ناروا برتاؤ کرے گی، اس لئے میں چُپ ہو گیا پھر جبرئیل علیہ السلام نے مجھے اپنے رب کے عذاب سے ڈرایا، تو ایسا کرو کہ کھانے کے ساتھ بکری کی ایک ٹانگ اور گلاس بھر دودھ کا انتظام کرو اور پھر بنو عبد المطلب کو جمع کرو۔ چناں چہ میں نے ایسا ہی کیا، سب لوگ آپ کے پاس جمع ہو گئے تقریباً ۴۰ آدمی تھے، ان میں آپ کے چچا ابو طالب، حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ و حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور بد بخت و کافر ابو لہب سبھی شامل تھے، میں اُن کے سامنے طشت لا کر رکھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دندانِ مبارک سے گوشت کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے طشت کے اطراف رکھے اور فرمایا لیجئے، اللہ کا نام لے کر کھانا شروع کیجئے، سب سیر ہو کر کھائے کچھ نہ بچا، بہ خدا انہوں نے کسی نے کبھی ایسا کھانا نہ کھایا ہو گا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: علی رضی اللہ عنہ انہیں کچھ پلاؤ بھی! پھر میں دودھ کا بڑا مضبوط پیالہ لے کر حاضر ہو گیا، وہ لوگ دودھ پی کر خوب نہال ہو گئے اور قسم خدا کی! کسی نے اس جیسا عمدہ دودھ کبھی نہ پیا ہو گا۔ ابھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کچھ بولنا ہی چاہتے تھے کہ ابو لہب جلدی سے بول پڑا، چلو بھئی! تمہارے ساتھی نے تم پر بڑا سخت جادو کر دیا ہے، سب چلے گئے اور آپ کچھ نہ بول سکے۔ دوسرے دن آپ نے مجھ سے پھر اسی طرح انتظام کرنے اور بنو عبد المطلب جمع کرنے کو کہا، جب سب جمع ہو گئے اور کھانے سے فارغ ہو گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے بنو عبد المطلب! دیکھو! میں عرب کے کسی ایسے نوجوان کو نہیں جانتا جو مجھ سے اچھی بات لے آیا ہو۔ میں تمہارے سامنے دنیا و آخرت کی (بھلائی کی) بات لایا ہوں۔ (دلائل النبوۃ: ۲/ ۱۲۸)

گوشۂ سیرت

یاالٰہی! اپنی نگاہ کرم سے تو مجھے دور نہ رکھ

از: مولانا الیاس محی الدین ندوی بھٹکلی*

حجۃ الوداع کا موقع ہے اور عرفات کا میدان، روئے زمین پر بنی نوع انساں میں انبیاء علیہم السلام کے بعد افضل ترین انسانوں یعنی شمع رسالت کے پروانوں کا جم غفیر ہے، رحمت الٰہی جوش میں ہے اور شیطان لعین افسردہ و مایوس، مغفرت کی بارش ہورہی ہے اور عفو وغفران کی برسات، کرّہ ارض میں دعاؤں کی قبولیت کے افضل ترین خطہ اور سال بھر کی مقبول ترین گھڑی زبانِ نبوت سے اس موقع پر نکلنے والی دعاؤں اور مناجات کے ان مؤثر ترین شہ پاروں کو سنئے اور فصاحت وبلاغت کے گنجینہ سے نکلنے والی ان التجاؤوں پر غور کیجیے جن سے پتھر سے پتھر دل بھی موم ہوجائے۔ رحمن ورحیم آقا ومولیٰ کے حضور اس کا محبوب ترین بندہ کچھ یوں دست سوال پھیلا رہا ہے:

یاالٰہی! تو میری باتوں کو سنتا ہے، میری جگہ کو دیکھتا ہے اور میرے پوشیدہ اور ظاہر کو جانتا ہے، تجھ پر میرا معاملہ کچھ بھی پوشیدہ نہیں ہے، میں بے بس ہوں اور مجبور ومحتاج اور فریادی، اپنے گناہوں کا معترف ہوں اور تیرے در کا سائل، گڑگڑا کر، آنسو بہابہا کر، گردن جھکا جھکا کر، تابع وفرماں بردار بن کر تجھ سے رحم کی بھیک مانگتا ہوں، میری ہر ہر ادا پر یارب تیری نظر ہے، میں تجھ سے صرف اس کا طالب ہوں کہ اپنی نگاہ کرم سے مجھے محروم نہ رکھ اور اپنے لطف وعنایت سے بھی دور نہ کر۔

اَللّٰھُمَّ اِنَّکَ تَسْمَعُ کَلَامِیْ وَتَرٰی مَکَانِی وَتَعْلَمُ سِرِّی وَعَلَانِیَتِی لَایَخْفٰی عَلَیْکَ شَیْئٌ مِنْ اَمْرِیْ، أَنَاالْبَائِسُ الْفَقِیْرُ الْمُسْتَغِیْثُ الْمُسْتَجِیْرُ الْوَجِلُ الْمُشْفِقُ الْمُقِرُّ الْمُعْتَرِفُ بِذَنْبِیْ أَسْئَلُکَ مَسْأَلَۃَ الْمِسْکِیْنِ وَاَبْتَھِلُ إِلَیْکَ اِبْتِھَالَ الْمُذْنِبِ الذَّلِیْلِ وَأَدْعُوْکَ دُعَاءَ الْخَائِفِ الضَّرِیْرِ دُعَاءَ مَنْ خَضَعَتْ لَکَ رَقَبَتُہٗ وَفَاضَتْ لَکَ عَبْرَتُہٗ وَذَلَّ لَکَ جِسْمُہٗ وَرَغِمَ لَکَ أَنْفُہٗ، اَللّٰھُمَّ لَاتَجْعَلْنِی بِدُعَائِکَ رَبِّیْ شَقِیًّا وَکُنْ لِی رَؤُوْفًا رَحِیْمًا یَاخَیْرَ الْمَسْؤُلِیْنَ۔ (طبرانی المعجم الکبیر ۱۱/ ۲۷۴)

---

* مدرس تفسیر وحدیث جامعہ اسلامیہ بھٹکل

گوشہ خواتین

اسلام کی باکمال خواتین

حضرت حمنہ بنت جحش رضی اللہ عنہا
(حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کی اہلیہ محترمہ)

از: مفتی رفیع الدین حنیف قاسمی*

نام ونسب: حضرت حمنہ بنت جحش، خاندان قریش کے اسد بن خزیمہ سے تعلق رکھتی تھیں، ان کا سلسلہ نسب کچھ اس طرح ہے: ''حمنہ بنت جحش بن رئاب بن یعمر بن صبرۃ بن مرۃ بن کثیر بن غنم بن دودان بن اسد بن خزیمہ۔

والدہ محترمہ کا نام اُمیمہ بنت عبد المطلب تھا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حقیقی پھوپھی ہوتی ہیں، اس طرح حضرت حمنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پھوپھی زاد بہن بھی ہوتی ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجہ مطہرہ حضرت زینب بنت جحش ان کی حقیقی بہن اور عبداللہ بن جحش ان کے حقیقی بھائی ہوتے ہیں۔

قبول اسلام اور نکاح

بعثت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ابتدائی زمانے میں ہی مشرف باسلام ہوگئیں، ان کا نکاح جلیل القدر صحابی مبلغِ رسول حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ سے ہوا۔

ہجرت نبوی

اپنے شوہر حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے ہمراہ مدینہ منورہ کی ہجرت کی، مہاجرین اور انصار کی دیگر خواتین کے ساتھ اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شرف بیعت حاصل کیا۔

غزوۂ احد میں شرکت اور شوہر کی شہادت

نہایت جری اور بہادر واقع ہوئی تھیں، چنانچہ سن ۳ ہجری میں غزوۂ احد پیش آیا، حضرت حمنہ بنت جحش رضی اللہ عنہا نے دیگر خواتین کے ساتھ غزوہ میں نہایت نمایاں خدمات انجام دیں، مجاہدین کو پانی پلاتیں، زخمیوں

* ادارہ علم وعرفان، حیدرآباد، واستاذ حدیث دار العلوم دیودرگ

کا دوا اور علاج کرتیں اور ان کی نگہداشت کرتیں، اسی غزوہ میں ان کے شوہر مکرم حضرت مصعب بن عمیرؓ شہادت پا کر راہیٔ عالمِ بقا ہو گئے، حضرت حمنہ رضی اللہ عنہا اپنے شوہر سے بے پناہ محبت کرتیں تھیں، شہادت کی خبر سنی تو بے ساختہ چیخ نکل گئی، اسی غزوہ میں ان کے بھائی حضرت عبداللہ بن جحشؓ نے بھی جامِ شہادت نوش کیا، مشرکین نے ان کا مثلہ کیا تھا (روایتوں میں آتا ہے کہ شہادت سے قبل انہوں نے خود اپنے نعش کے مثلہ کیے جانے کی خواہش کی تھی، تاکہ جب اللہ کی بارگاہ میں حاضری ہو تو یہ کہہ سکیں! یا الٰہ العالمین! میرے ہونٹ، ناک اور کان تیری راہ میں کاٹے گئے) حضرت مصعبؓ کی صلب سے انہیں ایک بیٹی ''زینب'' پیدا ہوئیں۔ ''كانت من المبايعات، وشهدت أحدا، فكانت تسقى العطشى، وتحمل الجرحى، وتداويهم''

(الاصابۃ فی تمیز الصحابۃ، حمنۃ بن جحش الأسدیۃ: ۸/۸۸، دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

دوبارہ نکاح

پھر حضرت حمنہ بن جحش رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت طلحہ بن عبیداللہؓ (اصحاب عشرہ مبشرہ) سے ہوا، جن سے ان کے دو لڑکے محمد (سجاد) اور دوسرے عمران پیدا ہوئے۔ ''وتزوجها بعد ذلک طلحة بن عبيد الله فولدت له محمد بن طلحة السجاد، وبه يكنى طلحة، وعمران بن طلحة

(الطبقات الکبریٰ لابن سعد: ۸/۱۹۱، دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

واقعہ افک اور توبہ

واقعہ افک (حضرت عائشہ مطہرہ رضی اللہ عنہا پر جب تہمت لگائی گئی) تو اس میں حضرت حسان بن ثابت، حضرت مسطح رضی اللہ عنہما کے ساتھ حضرت حمنہؓ بھی منافقین کے دام فریب میں آکر غلط فہمی کا شکار ہو گئی تھیں، ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ پر لگائی گئی تہمت کی تصدیق کی تھی، جب بارگاہِ ایزدی سے حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کی برائت نازل ہوئی تو حضرت حمنہ رضی اللہ عنہا اپنی غلطی پر پشیمان ہوئیں اور بارگاہِ الٰہی میں تائب ہوئیں؛ لیکن حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کو ان کی واقعہ افک میں شرکت پر ہمیشہ قلق رہا۔

(اسد الغابۃ، حمنۃ بنت جحش: ۶/۷۰، دار الفکر، بیروت)

وفات

حضرت حمنہ رضی اللہ عنہا کی وفات سن ۲۰ ہجری کے بعد کسی سال میں ہوئی، ان سے چند ایک احادیث بھی مروی ہیں۔ جن کے راوی ان کے فرزند ارجمند حضرت عمران بن طلحہ رضی اللہ عنہ ہیں۔

تذکارِ صحابہ

حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ

از: مولانا عبدالرشید طلحہ نعمانی قاسمی*

حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کا شمار ان قدیم الاسلام صحابہ میں ہوتا ہے، جنھوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صدائے توحید پر پہلے پہل لبیک کہا اور نوائے حق کے پردۂ سماعت سے ٹکراتے ہی دِل وجان سے اسلام قبول کرلیا، اس طرح ''السابقون الاوّلون'' کے مخاطبین اولین میں شامل ہونے کی سعادت حاصل فرمائی۔ حافظ ابن عبد البرؒ نے الاستیعاب میں معروف مؤرخ حافظ ابن اسحاق کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ جس وقت آپ بارگاہِ نبوت میں جبینِ نیاز خم کرکے سرفروشانِ اسلام کی صف میں شامل ہوئے، اُس وقت ابھی صرف تیرہ قدسی نفوس حلقہ بہ گوشِ اسلام ہوئے تھے۔ دو دفعہ ہجرت فرمائی اور بدر میں بھی شریک رہے۔

علامہ ابونعیم اصبہانیؒ نے معرفۃ الاصحاب میں آپ کا ذکرِ جمیل اس طرح کیا ہے: كَانَ مِنْ رُهْبَانِ المهَاجِرِينَ وَنُسَّاكِهِمْ، يَقُومُ اللَّيْلَ وَيَصُومُ النَّهَارَ، وَيجتَنِبُ الشَّهَوَاتِ، وَيَعْتَزِلُ النِّسَاءَ، خَرَجَ مِنَ الدُّنْيَا وَلم يَتَلَبَّسْ مِنْهَا بِشيءٍ، اسْتَأْذَنَ النَّبِيَّ صَلىَ اللّٰہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي التَّبَتُّلِ، فَلَمْ يَأْذَنْ لَهُ، وَنَهَاهُ عَنِ الرَّهْبَانِيَّةِ.

سوانحی نقوش:

آپ کا اسم گرامی: عثمان، کنیت: ابوالسائب، والد کا نام: مظعون اور والدہ کا نام: سخیلہ بنت العنبس تھا۔ پورا سلسلہ نسب یہ ہے: عثمان بن مظعون بن جیب بن وہب بن حذافہ بن جمح بن عمرو بن ہصیص ابن کعب بن لوی بن غالب القرشی۔ آپ قریش کے خاندان بنو جمح سے تھے۔ آپ کی اہلیہ محترمہ حضرت خولہ بنت حکیم رضی اللہ عنہا جلیل القدر صحابیہ، عبادت گزار اور نیک سیرت خاتون تھیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عثمان کو ''السلف الصالح'' کہہ کر بلایا کرتے تھے؛ کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو نہایت نیک اور صالح فطرت سے نوازا تھا۔ عرب کے لوگ اُس دور میں عموماً جن اخلاقی برائیوں میں مبتلا تھے آپ کا دامن اُن سے پاک تھا، آپ نے دور جاہلیت میں بھی شراب کو ہاتھ نہیں لگایا اور نہ فواحش کا ارتکاب کیا۔

* مدرس شعبۂ عالمیت ادارہ ہذا

ہجرت حبشہ:

دولت اسلام سے مشرف ہونے کے بعد آپ بھی دوسرے اصحاب رضی اللہ عنہم کی طرح مشرکین کے جور و ستم اور تضحیک واستہزا کا ہدف بن گئے۔ آپ کے قبیلے کے لوگوں نے آپ کو بہت اذیتیں دیں، سب سے بڑھ کر امیہ بن خلف آپ کے درپے تھا اور اذیتیں دینے میں پیش پیش تھا۔ جب حالات نا قابل برداشت صورت اختیار کر گئے تو بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ایک پُرامن ملک حبشہ کی جانب ہجرت کی اجازت عطا ہوئی، ایک روایت کے مطابق گیارہ مرد اور چار خواتین نے ہجرت کی سعادت پائی اِس قافلے کے سالار جلیل القدر صحابی سیدنا عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ تھے۔ کفارِ مکہ نے شرکائے قافلہ کو گرفتار کرنا چاہا لیکن نورِ ایمان سے منور یہ مقدس حضرات دو تجارتی جہازوں پر سوار ہو کر روانہ ہو چکے تھے۔ یہ مہاجرین حبشہ پہنچ کر امن وامان کے ساتھ عبادتِ الٰہی میں مصروف ہو گئے۔ ابھی تین ماہ ہی گزرے تھے کہ اچانک یہ خبر پھیل گئی کہ کفارِ مکہ مسلمان ہو گئے جسے سن کر چند نفوسِ قدسیہ مکہ مکرمہ لوٹ آئے مگر یہاں آ کر پتا چلا کہ خبر غلط تھی۔

اللہ کی امان میں:

عربوں میں یہ رواج عام تھا کہ کوئی بھی قبیلہ، یا کسی قبیلے کا کوئی بڑا آدمی کسی مظلوم یا ستم رسیدہ شخص کو، یا کسی اجنبی مسافر کو اپنی پناہ میں لے لیتا تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ شخص اب اس قبیلے کی یا اس شخص کی حفاظت میں آ گیا ہے، کسی دوسرے شخص کو یا کسی اور قبیلے کو اس کی طرف دیکھنے کی جرأت نہیں ہوتی تھی، اور اگر کوئی ایسا کرتا تھا تو یہ براہ راست اس قبیلے پر یا اس شخص پر حملہ یا اس کے خلاف اعلان جنگ سمجھا جاتا تھا۔ جس طرح پناہ دی جاتی تھی اسی طرح پناہ واپس بھی لے لی جاتی تھی، یہ عربوں کے معاشرتی نظام کا ایک حصہ تھا۔

حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ حبشہ کی ہجرت سے واپس آئے تو ولید بن مغیرہ کی پناہ حاصل کی، اس لیے مسلمان ہونے کے باوجود لوگ انہیں کچھ نہیں کہتے تھے۔ ایک دن انہیں خیال آیا کہ میں ولید بن مغیرہ کی امان میں ہوں اور آرام سے مکہ مکرمہ کی گلیوں میں گھومتا پھرتا ہوں، ولید کی وجہ سے مجھے کوئی کچھ نہیں کہتا، جب کہ میرے دوسرے ساتھی اور میرے دینی بھائی اللہ کی راہ میں تکلیفیں جھیل رہے ہیں، یقیناً میرے حق میں یہ بات اچھی نہیں ہے اور اس سے میرے اجر و ثواب میں کمی ہوگی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اس خیال نے پریشان کر دیا، وہ اسی وقت ولید بن مغیرہ کے پاس پہنچے اور اس سے کہا: اے عبد شمس! میں تمہاری پناہ واپس کرنا چاہتا ہوں۔ ولید نے پوچھا اے بھتیجے! کیوں؟ انہوں نے کہا کہ میں اللہ کی پناہ اور اس کی حفاظت میں جانا چاہتا ہوں، اس کے علاوہ کسی کی پناہ کا طلبگار نہیں ہوں، اس لئے میرے ساتھ مسجد حرام چلو اور جس طرح تم نے علی الاعلان مجھے اپنی پناہ

میں لیا تھا اسی طرح علی الاعلان مجھے اپنی پناہ سے آزاد کردو۔ دونوں گھر سے نکل کر مسجد پہنچے۔ ولید نے لوگوں سے بتلایا کہ یہ عثمان میری پناہ واپس کرنا چاہتا ہے، عثمانؓ نے کہا: ولید صحیح کہتے ہیں، انہوں نے مجھے پناہ دی اور یہ اچھے پناہ دینے والے ثابت ہوئے لیکن میں اب صرف اللہ کی پناہ چاہتا ہوں، یہ کہہ کر عثمانؓ وہاں سے چلے گئے۔ اس واقعے سے جہاں عربوں کی زندگی کے اس معاشرتی پہلو پر روشنی پڑتی ہے وہیں اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرات صحابہ کرامؓ کا عقیدۂ توحید کس قدر مضبوط اور خدا پر ان کا یقین کس قدر پختہ تھا کہ وہ اس میں کسی کی گنجائش محسوس نہیں کرتے تھے، پھر ان میں یہ جذبہ بھی تھا کہ وہ اگر اپنے دینی بھائیوں کی کوئی مدد نہ کرسکیں تو کم از کم تکلیفیں اٹھا کر اور مشقتیں برداشت کر کے ان کا ساتھ دے دیں۔ (حلیۃ الاولیاء: ۷/ ۱۰۳، ۱۰۴، اسد الغابہ: ۳/ ۵۹۸، ۵۹۹)

ایک اور واقعہ:

ایک مرتبہ مشہور شاعر لبید بن ربیعہ مکہ آیا۔ اس نے قریش کی ایک مجلس میں اپنا کلام سنایا۔ جب اس نے پڑھا: ''ألا! كُلُّ شيء مّا خلا الله باطلُ'' خبردار! اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے سوا ہر چیز فانی ہے''۔ تو عثمان بن مظعون نے فرمایا: ''بالکل سچ ہے''۔ جب اس نے اگلا مصرعہ پڑھا ''و كُلُّ نعيمٍ لا محالة زائلُ'' اور ہر نعمت لازماً زائل ہو جائے گی''۔

تو عثمان کہنے لگے: ''یہ جھوٹ ہے۔ جنت کی نعمتیں کبھی ختم نہیں ہوں گی''۔ لبید کہنے لگا: ''قریشیو! اس سے پہلے تو تمہارے ہاں مہمان کی توہین نہیں کی جاتی تھی۔ یہ نیا رواج تم میں کب سے شروع ہوا؟'' ایک آدمی کہنے لگا: ''یہ اور اس جیسے چند دوسرے بے وقوف ہمارے دین سے نکل چکے ہیں۔ آپ اس کی بات کا بُرا نہ مانیے۔'' حضرتِ عثمان نے بھی اُسے سخت جواب دیا تو بات بڑھ گئی۔ وہ آدمی اٹھا اور حضرتِ عثمانؓ کی آنکھ پر تھپڑ مارا۔ اُن کی آنکھ پر نیل پڑ گیا۔ ولید بن مغیرہ قریب بیٹھا سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ وہ کہنے لگا: بھتیجے! اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی قسم! تیری آنکھ کو یہ تکلیف ہرگز نہیں پہنچ سکتی تھی۔ تو مضبوط پناہ میں تھا''۔ عثمان کہنے لگے: واللہ میری تو دوسری آنکھ بھی آرزومند ہے کہ اُسے بھی اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے راستے میں ایسی ہی تکلیف پہنچے۔ جناب عبد شمس! میں آپ سے کہیں زیادہ قوی اور قدیر ذات کی پناہ میں ہوں''۔ ولید کہنے لگا: ''بھتیجے! چاہو تو دوبارہ میری پناہ میں آجاؤ''۔ عثمانؓ نے کہا: ''نہیں! مجھے اللہ کی پناہ کافی ہے''۔ (السیرۃ النبویۃ لابن ہشام: 2/1210)

خصائل حمیدہ:

آپ رضی اللہ عنہ اخلاق حمیدہ کے پیکر، شمائل نبویہ کے خوگر اور زہد وتقوی، صبر وتحمل اور اسلامی غیرت وحمیت کے مالک تھے۔ مزاج میں شرم وحیا کا عنصر غالب تھا، ایک روز بارگاہِ نبوت میں عرض کیا یا رسول اللہ میں اپنی

بیوی کو بھی اپنا سترِ عورت دکھانا پسند نہیں کرتا، ارشاد ہوا کیوں؟ عرض کیا حیا دامنگیر ہوتی ہے، فرمایا خدا نے اس کو تمہارے لیے اور تم کو اس کے لیے بے پردہ بنایا ہے، وہ جب کچھ دیر کے بعد دربار سے چلے گئے تو آپ نے فرمایا، عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ نہایت ہی باحیا ہیں۔

تبتل ورہبانیت کی طرف شدید میلان تھا، ایک دفعہ انہوں نے چاہا کہ قوائے شہوانیہ کو فنا کر کے صحرانوردی اختیار کریں، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے باز رکھا اور فرمایا: کیا میری ذات تمہارے لیے اُسوہ حسنہ نہیں ہے؟ میں اپنی بیویوں سے ملتا ہوں، گوشت کھاتا ہوں، روزے رکھتا ہوں اور افطار کرتا ہوں، بے شک میری امت کا خصی ہونا صرف روزے رکھنا ہے، اس لیے جو شخص خصی کرے گا یا خصی بنے گا وہ میری امت سے نہیں ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح)

امام ابنِ شہاب رحمہ اللہ کہتے ہیں: ایک دن حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ مسجد میں داخل ہوئے، انھوں نے ایک چادر اوڑھی ہوئی تھی جو کئی جگہ سے پھٹی ہوئی تھی جس پر انھوں نے کھال کا پیوند لگا رکھا تھا۔ یہ دیکھ کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اُن پر بڑا ترس آیا اور آپ پر رِقّت طاری ہوگئی اور آپ کی وجہ سے صحابہ رضی اللہ عنہم پر بھی رِقّت طاری ہوگئی۔ پھر آپ نے فرمایا: اس دن تم لوگوں کا کیا حال ہوگا جس دن تم میں سے ہر آدمی ایک جوڑا صبح پہنے گا اور ایک جوڑا شام کو، اور کھانے کا ایک بڑا پیالہ اس کے سامنے رکھا جائے گا اور ایک اٹھایا جائے گا، اور تم گھروں پر ایسے پردے لٹکاؤ گے جیسے کعبہ پر لٹکائے جاتے ہیں۔ صحابہ نے عرض کیا: ہم تو چاہتے ہیں کہ ایسا ہو جائے اور ہمیں بھی وسعت اور سہولت حاصل ہو جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ایسا ضرور ہو کر رہے گا، لیکن آج تم لوگ اس دن سے بہتر ہو۔

مدینہ ہجرت اور غزوۂ بدر میں شرکت:

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ایک عرصہ تک مکہ میں صبر وسکون کے ساتھ مظالم برداشت کرتے رہے، یہاں تک کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عموماً تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کا حکم دیا تو وہ اپنے خاندان کے ساتھ جس میں ان کے دونوں بھائی حضرت قدامہ بن مظعون رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن مظعون رضی اللہ عنہ اور ان کے صاحبزادہ سائب بن عثمان رضی اللہ عنہ شامل تھے، اس سرزمین امن میں پہنچ کر حضرت عبداللہ بن سلمہ عجلانی رضی اللہ عنہ کے مکان پر فروکش ہوئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اِن کی آمد کی خبر ملی تو آپ کے رخسار مبارک خوشی سے منور ہو گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انھیں اور ان کے خاندان کو مکانات کی تعمیر کے لیے وسیع قطعاتِ زمین مرحمت فرمائے۔ چند ماہ بعد جب مہاجرین اور انصار کے درمیان مؤاخات قائم ہوئی تو آپ کو جلیل القدر صحابی سیدنا ابوالہیثم بن التیہان رضی اللہ عنہ کا دینی بھائی بنایا گیا۔

2 ہجری میں جب حق وباطل کا معرکہ اول بدر کے میدان میں لگا تو سیدنا عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کو

بھی اس میں شریک ہونے کا عظیم شرف حاصل ہوا۔اِس معرکے میں انھوں نے خوب شجاعت و بہادری کا مظاہرہ کیا، اس کا ادنیٰ نمونہ یہ ہے کہ اثنائے جنگ قریش کا ایک جنگجو'اوس' مسلمانوں پر بڑھ چڑھ کر وار کر رہا تھا، سیدنا عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ شمشیر بکف اس کی طرف بڑھے، اسی اثنا میں سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ بھی اس کے سر پر پہنچ گئے اور پھر دونوں نے آناً فاناً اس شقی کو جہنم رسید کر دیا۔

وفات حسرت آیات:

قسمت کی بات ہے جنگ بدر سے واپس آئے تو آپ علیل ہو گئے۔خوب علاج معالجہ کیا لیکن مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی، یہاں تک کہ ایک قول کے مطابق ماہ شعبان المعظم 3 ہجری کو اپنے حقیقی مالک وخالق سے جا ملے۔آپ کے وصال سے پہلے مدینہ منورہ میں مسلمانوں کا کوئی خاص قبرستان نہ تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ان کی تدفین کے لیے عرض کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ''مقام بقیع'' کو ان کے لیے منتخب فرمایا۔آپ پہلے مہاجر صحابی ہیں جنھیں یہ شرف حاصل ہوا۔رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کی نمازِ جنازہ پڑھائی اور تدفین کے مراحل میں شریک رہے، تدفین کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے سرہانے ایک پتھر نصب کر کے فرمایا: ''آج سے میں بقیع کو مسلمانوں کا قبرستان قرار دیتا ہوں، آئندہ جو مسلمان مدینہ منورہ میں وفات پائے وہ یہیں دفن کیا جائے گا''۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شہزادے سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور شہزادی سیدہ زینب سلام اللہ علیہا بھی سیدنا عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کے پہلو میں آرام فرما ہیں۔

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جس دن حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا اس دن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے پاس تشریف لے گئے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر ایسے جھکے کہ گویا ان کو وصیت فرما رہے ہیں۔پھر آپ نے سر اٹھایا تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپ کی آنکھوں میں رونے کا اثر دیکھا۔آپ دوبارہ ان پر جھکے، پھر آپ نے سر اٹھایا تو اس دفعہ آپ روتے ہوئے نظر آئے۔پھر آپ ان پر تیسری مرتبہ جھکے، پھر آپ نے سر اٹھایا تو اس دفعہ آپ سسکیاں لے رہے تھے جس سے صحابہ رضی اللہ عنہم سمجھے کہ ان کا انتقال ہو گیا ہے۔اس پر صحابہ رضی اللہ عنہم بھی رونے لگے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ٹھہرو! یہ آواز سے رونا شیطان کی طرف سے ہے۔اللہ سے استغفار کرو۔پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا: اے ابوالسائب! تم غم نہ کرو۔تم دنیا سے چلے گئے اور تم نے دنیا سے کچھ نہ لیا۔

ایک روایت میں یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے انتقال کے بعد ان کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا: اے عثمان! اللہ تم پر رحم فرمائے! نہ تو تم نے دنیا سے کوئی فائدہ اٹھایا اور نہ ہی دنیا تمہارے پاس آئی۔

اصلاحی مضامین

ماہِ صفر اور توہم پرستی

مولانا سیف اللہ قادری*

اسلام کے معنی اپنے آپ کو مکمل طور پر اللہ کے حوالہ کر دینے اور اس کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دینے کے ہیں پس جو کوئی بھی اسلام قبول کرتا ہے وہ پوری طرح اپنے آپ کو خالق کائنات کے حوالہ کر دیتا ہے، قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے ایمان والو! مکمل طور پر اسلام میں داخل ہو جاؤ۔ (سورۃ البقرہ:۲۰۸) اس آیت میں اشارہ ہے کہ اسلام محض چند رسمی عبادات کا نام نہیں بلکہ وہ ایک مکمل نظامِ حیات ہے جس کی بنیاد مضبوط عقائد اور پاکیزہ تعلیمات پر ہے جس میں عقل اور محبت کی حسین ہم آہنگی پائی جاتی ہے۔ اگر عقائد و عبادت کا نظام عقل سے آزاد ہو جائے تو توہم پرستی وجود میں آتی ہے۔ اور عقل کو آسمانی وحی سے لاتعلق کر دیا جائے تو ایسی مادیت پرستی پیدا ہوتی ہے جو روحانیت کے لطف سے بالکل نابلد ہوتی ہے اور نتیجہ دونوں صورتوں میں گمراہی اور محرومی ہے۔

زمانۂ جاہلیت میں اکثر عرب اسی بیماری میں مبتلا تھے، علم و فضل سے ناواقف، مختلف قسم کی توہّم پرستیوں، بدشگونیوں، بدفالیوں، اور خرافات کے شکار تھے، وجودِ باری تعالیٰ، قیامت، حشر و نشر، بعث بعد الموت، اور جزا و سزا اُن کے نزدیک تمسخر کی باتیں تھیں۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے جہالت کے ان اندھیروں میں اپنے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سراجِ منیر بنا کر مبعوث فرمایا، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعہ جہالت کے اندھیروں کو ختم کیا گیا، توہم پرستی کے بجائے حقیقت شناسی کی تعلیم دی گئی، شرک و بت پرستی کی جگہ توحید کی تعلیم دی گئی۔۔ چنانچہ حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مرض کا (اللہ کے حکم کے بغیر) دوسروں کو لگنا، بدشگونی، مخصوص پرندے کی بدشگونی، اور صفر کی نحوست یہ ساری باتیں بے بنیاد ہیں، جن کی کوئی حقیقت نہیں۔ (بخاری)

ماہ صفر اسلام کا دوسرا مہینہ:

ماہ" صفر المظفر " اسلامی اعتبار سے سال کا دوسرا مہینہ ہے، عام طور پر صفر کے ساتھ "مظفر" یا "خیر" کا لفظ لگایا جاتا ہے۔ مظفر کے معنی کامیابی والی چیز کے ہیں اور خیر کے معنی نیکی اور بھلائی کے ہیں، زمانۂ جاہلیت میں بلکہ آج بھی اس مہینہ کو منحوس، آسمان سے بلائیں، اور آفتوں کے نزول کا مہینہ سمجھا جاتا ہے؛ اس لئے صفر کے

* متعلم شعبہ افتاء ادارہ اشرف العلوم حیدر آباد

ساتھ مظفر یا خیر کا لفظ لگایا جاتا ہے؛ تاکہ ان کے ذہن ودماغ سے منحوسیت والا تصور نکل جائے۔

دو بدعتیں:

جاہل وبے دِین لوگوں نے یا اسلام دشمن عناصر نے دین کے نام پر بہت ساری بدعات وخرافات کو جنم دیا جیسے محرم میں تعزیہ وعلَم، شعبان میں حلوہ، ربیع الاول میں میلاد، ربیع الثانی میں گیارہویں وغیرہ۔انہی بدعات میں ماہِ صفر کی ایک تیرہ تیزی کی بدعت، اور دوسری آخری چہارشبہ کی بدعت ہے۔تیرہ تیزی کے بارے میں لوگوں کا عقیدہ ہے کہ ماہ صفر کے ابتدائی تیرہ دن نہایت منحوس اور برے ہیں اس لئے کہ اس میں آپ علیہ السلام سخت بیماری میں مبتلا ہوئے،اس لئے ان دنوں کسی چیز کو خریدنا منحوس وبرا ہے اور اس مہینہ میں شادی بیاہ معیوب ہے گویا یہ دن اتنے منحوس ہیں کہ ان میں کوئی خوشی ومسرت کا کام نہیں کیا جاسکتا۔

بہرحال! تیرہ تیزی کے اس عقیدہ کے متعلق شرعی حیثیت معلوم کرنے کے لئے دو باتیں قابل غور ہیں۔

پہلی بات یہ کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم صفر کے شروع کے تیرہ دن بیمار رہے؟ دوسری یہ کہ اگر فی الواقع آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ان دنوں بیمار تھے تو کیا اس کی وجہ سے یہ دن منحوس ہوجائیں گے؟

پہلی بات یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنے مرض الوفات میں تیرہ دن بیمار تو رہے مگر یہ تیرہ دن کونسے تھے؟ تاریخ کی کتابوں میں اس بات کی صراحت ہے کہ وہ صفر کے آخری اور ربیع الاول کے ابتدائی ایام تھے جیسا کہ حافظ ابن حجرؒ کی فتح الباری (۸/۱۲۹) اسی طرح ثقات ابن حبان (۲/۱۳۰) اور سیرت ابن ہشام میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا مرض الوفات صفر کے آخری دنوں یا ربیع الاول کے ابتدائی دنوں میں شروع ہوا۔(۲/۶٤۲)

ان اقوال سے یہ واضح ہوتا ہے کہ تاریخی اعتبار سے یہ بات صحیح نہیں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم صفر کے شروع میں تیرہ دن بیمار رہے۔پس معلوم ہوا کہ تیرہ تیزی کی بدعت بے بنیاد اور غلط ہے تو اس پر جو عقیدہ وعمل قائم کیا گیا تو وہ کیسے درست ہوگا؟

دوسری بات اگر بالفرض یہ مان بھی لیا جائے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم صفر کے ابتدائی دنوں میں بیمار تھے یا کسی اور موقع پر؟ تو کیا اس کی وجہ سے ان دنوں کو یا صفر کے مہینے کو منحوس سمجھنا درست ہوگا؟ حالاں کہ بیماری مومن کے لئے سراسر رحمت ہے۔بعض روایات میں آتا ہے کہ اللہ جس شخص کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتے ہیں اسے مصیبت میں مبتلا کردیتے ہیں۔(بخاری) اور ایک روایت میں بھی ہے کہ بیماری سے اجروثواب اور درجات کی بلندی نصیب ہوتی ہے۔(مسلم)

نیز زمانہ تو اللہ کی مخلوق ہے اس کی طرف نحوست یا برائی کو منسوب کرنا گناہ ہے، یہ کفار ومشرکین کی روش ہے، جیسا کہ اللہ نے فرمایا: اور یہ کفار کہتے ہیں جو کچھ زندگی ہے، بس یہی ہماری دنیوی زندگی ہے (اسی میں ہم مرتے اور جیتے ہیں) اور ہمیں کوئی اور نہیں زمانہ ہی ہلاک کرتا ہے (جاثیہ: ۲۴)

حدیث قدسی میں ہے: اللہ عزوجل فرماتے ہیں کہ بنی آدم مجھے ایذا دیتا ہے وہ زمانہ کو برا بھلا کہتا ہے حالانکہ زمانہ میں ہوں میرے قبضۂ قدرت میں تمام حالات اور زمانے ہیں اور میں ہی رات اور دن کو پلٹتا ہوں۔ (بخاری)

نحوست کا اصل سبب بداعمالیاں ہیں

اصل نحوست تو بدعملی، بداخلاقی، معصیت اور دین وشریعت سے غفلت ولا پرواہی ہے۔ چناں چہ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے قوم عاد کے بارے میں کہا۔۔۔ہم نے ان (قوم عاد) پر ایک سخت ہوا بھیجی ایسے دن میں جو دائمی نحوست والا ہے (القمر: ۱۹)۔

علامہ قرطبیؒ نے اس آیت کی تفسیر میں اس نکتہ کی طرف اشارہ کیا کہ: وہ منحوس ایام جن کا ذکر قرآن میں آیا وہ قوم عاد کے کفار پر منحوس تھے نہ کہ ان کے نبی (ہود علیہ السلام) کے حق میں اور نہ ان پر ایمان رکھنے والوں کے حق میں۔ (۱۳۶/۱۷)

اپنے گناہوں کی نحوست کو دوسری چیزوں کی طرف ڈالنا ایسا ہی ہے جیسے ایک کالے حبشی کو راستہ میں ایک شیشہ پڑا ملا، اس حبشی نے کبھی اپنا چہرہ شیشہ میں نہیں دیکھا تھا، جب اپنا چہرہ اس شیشہ میں دیکھا تو بہت بدنما اور بھدّا محسوس کیا۔ ناک بڑی، رنگ کالا فوراً اس نے شیشہ کو غصہ میں پھینک دیا۔ اور کہا تو اتنا بدصورت اور بدنما ہے اسی لئے تو تجھے کسی نے یہاں پھینک دیا۔ جس طرح اس حبشی نے بدصورتی شیشہ کی طرف منسوب کی اسی طرح لوگ اپنی بدعملی کی نحوست کو زمانہ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ حقیقت میں عبادت مبارک چیز ہے اور گناہ منحوس چیز ہے۔ معلوم ہوا کہ نحوست کسی چیز میں نہیں۔ اسی لئے نحوست سے بچنے کی خاطر گناہوں سے، اللہ کی نافرمانیوں اور بداخلاقیوں سے باز آنے کی ضرورت ہے نہ کہ صفر میں خرید وفروخت اور خوشی کی تقریبات منانے سے۔ بہرحال ماہ صفر کی نحوست کا اعتقاد باطل ہے۔

آخری چہار شنبہ:

ماہ صفر کی ایک دوسری بدعت وہ صفر کے مہینہ کا آخری بدھ ہے جس کے بارے میں اُن کا خیال ہے کہ

آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیماری کے بعد سبزے کی سیر کو تشریف لے گئے۔ مسلمان اس دن کو مبارک سمجھ کر سیر وتفریح کرنا اچھا سمجھتے ہیں۔

یہاں دو باتیں قابل غور ہیں ایک عقیدہ دوسرا عمل، جہاں تک عقیدہ کا تعلق ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آخری چہارشنبہ کو صحت پا گئے تھے۔ اگر اس سے مرض الوفات سے صحت پانا مراد ہے تو تاریخی شواہد اس کو بالکل غلط اور بے اصل بتاتے ہیں کیوں کہ اس بیماری کے بعد آپ صحت مند نہیں ہوئے تھے، اسی لئے تو اس کو مرض الوفات کہتے ہیں۔ اور اگر کسی دوسرے موقعہ کی بیماری سے صحت پانا مراد ہے تو تاریخ وسیرت سے اس کا کہیں ثبوت نہیں؛ بلکہ تاریخ وسیر کی کتابوں میں اس کے خلاف ہے۔ چنانچہ طبقات ابن سعد، البدایہ والنہایہ، سیرت ابن ہشام، تاریخ ابن خلدون، فتح الباری، سیرت النبی، اور سیرت المصطفی میں یہ لکھا ہوا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیماری کا آغاز سن ۱۱ھ میں صفر کے مہینہ کی جب دو راتیں باقی رہ گئیں تھیں بدھ کے روز حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں ہوا پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیماری شدت اختیار کر گئی تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر منتقل ہو گئے اور ۱۲ / ربیع الاول کو اتوار کے دن چاشت کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس دنیا سے پردہ فرما گئے۔ (اسد الغابہ ۱ / ۴۱)

بہرحال اس دن بیماری سے شفا ملنے والی باتیں جھوٹ و بے اصل ہے بلکہ یہ جاہل، دین سے ناواقف دشمن عناصر کی پھیلائی ہوئی باتیں ہیں۔

غور کرنے کی بات

غور کرنے کی بات یہ ہے کہ کیا کسی مسلمان کو یہ زیب دیتا ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیماری کے دن خوشیاں منائیں؟ اس دن سیر وتفریح کریں؟ قسم قسم کے کھانے پکائیں؟ یہ سب سیرت طیبہ اور اسوۂ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف ہے۔ اگر بالفرض اس بات کو مان بھی لیا جائے کہ کسی آخری چہارشنبہ کو صحت یابی ہوئی تھی تو خوشی کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مبارک معمول یہ تھا کہ آپ اللہ کی حمد وثنا، رجوع الی اللہ، شکر ونماز میں مشغول ہوتے تھے سیر وتفریح کے لئے نہیں نکلتے تھے

بس خلاصہ ہے کہ ان من گھڑت باتوں کو ادا کرنے کے لئے فرائض وسنتوں کو ترک نہیں کرنا چاہیے یہ سب محض شیطانی دھوکہ ہے کہ جس نے دین کے نام پر اُمت کو یہ تیرہ تیزی اور آخری چہارشنبہ کی رسومات وبدعات میں پھنسا دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ ان رسومات سے اسلام کا کوئی تعلق نہیں۔

دعاء ہے کہ اللہ اہل اسلام کو دین کی سمجھ دیں اور قرآن وسنت کی تعلیمات سے سرفراز کریں اور تمام خرافات سے بچائے۔ آمین

اصلاحی مضامین

عبادت کی توفیق کیوں نہیں ملتی؟

از: مفتی محمد سلمان قاسمی محبوب نگر*

کسی بھی شخص کو خیر کے کام کا موقع فراہم ہونا اتفاق نہیں ہوتا، بل کہ اللہ تعالیٰ کا انعام اور توفیق ہوا کرتی ہے، جن بندگان خدا سے باری تعالیٰ راضی اور خوش ہوتے ہیں ان کے لیے خیر کے کاموں کی راہ ہموار کرتے ہیں، سورۃ اللیل کی آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى" (آیت:07) علامہ ابن جریر رحمہ اللہ نے اس آیت کی تفسیر میں ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ اس کے لیے کشادگی پیدا کرتے ہیں، کشادگی سے مراد ایسے عمل کی توفیق ملنا جس سے اللہ تعالیٰ دنیا میں راضی ہوں تا کہ آخرت میں اس عمل کی وجہ سے جنت عطا کر سکیں (تفسیر طبری)۔ اور جو بندے خدا فراموش اور شریعت کو ثانوی درجے میں رکھ کر زندگی گزارتے ہیں ان سے یہ توفیق و تیسیر چھین لی جاتی ہے، بس معلوم ہوا کہ قربت وعبادت کا تعلق توفیق سے ہے، یہاں ایک اہم نکتہ یہ ہے کہ اس توفیقِ خداوندی کے نصیب ہونے میں انسان کی معیشت اور کمائی کا بہت بڑا دخل ہے، جس شخص کی کمائی پاکیزہ اور حلال ہوگی اور جو پاک وطیب طریقِ معاش اختیار کرے گا اللہ تعالیٰ ایسے بندوں کو بکثرت اعمالِ صالحہ کا موقع عنایت فرمائیں گے، اور نہ صرف اس کو بل کہ اس کی نسلوں میں تک اس کے نفیس و پاکیزہ اثرات کو منتقل کرتے ہیں، آج معاشرے کا ایک بڑا طبقہ اپنی اولاد کے باغی ونافرمان ہونے کا شاکی ہے، اور ان کی بے راہ روی وبے دینی بل کہ آوارگی و بددینی کو لے کر بے حد فکر مند اور نہایت غمگین ہے، ان کا یہ تصور و خیال ہے کہ زمانے کی رنگینیوں اور معاشرے کی خرابیوں نے باوجود ان کی ہزار تربیت ونگرانی کے نوجوان نسل کو آوارہ وبے ہودہ بنا دیا، حقیقت یہ ہے کہ نسلِ نو کے بگاڑ میں جہاں معاشرتی مفسدات کارفرما ہیں وہیں ان کے افزائش میں استعمال شدہ حرام اور مشتبہ مال بھی اثر دار ہے، دنیا میں جتنے بھی اولیاءِ عظام گزرے ہیں ان کے سوانحات میں یہ بات نمایاں طور پر ملتی ہے کہ ان کے والدین نے ان کی نشو نما اور روزی روٹی میں غایت درجہ احتیاط برتا ہے، اور حرام تو درکنار، مشکوک ومشتبہ روزی کو بھی ان کے قریب آنے نہیں دیا، یہی وجہ ہے کہ وہ لوگ آفتابِ ہدایت بن کر عالم دنیا پر چھا گئے اور امت کے ایک بڑے طبقے کو صراط مستقیم پر گامزن کیا، اور اپنے

* خادم التدریس ادارہ اشرف العلوم حیدرآباد

والدین کے لیے تاہنوز صدقۂ جاریہ بنے ہوئے ہیں، گو ان کے والدین نے کوئی بڑا دینی کارنامہ انجام نہ دیا ہو لیکن اپنی اولاد کی تربیت کے تئیں جو حزم و احتیاط سے کام لیا وہی ان کی دنیا میں ترقی اور آخرت میں بلندئ درجات کا باعث بنا، اس کے برعکس جو شخص حرام مال کماتا اور کھاتا ہے اللہ اس کی حق شناسی کی دولت کو ختم کر دیتے ہیں، اس کے نورِ ایمانی کو بجھا دیتے ہیں اور ایسے شخص کا دل مردہ ہو جاتا ہے، حق اور ہدایت کی بات اس کے ضمیر پر اثر انداز نہیں ہوتی، اعمال صالحہ کی اس کو توفیق نہیں ملتی اور سارے اسباب مہیا ہونے کے باوصف کبھی خیر کے کاموں کی طرف اس کی طبیعت مائل نہیں ہوتی، اس کے قلب پر شیطان کا تسلط ہو جاتا ہے، اور یہ شخص معاشرے کے لیے ایک موذی جانور کی طرح نقصان دہ ہو جاتا ہے، نیز جو شخص ناجائز طریقے سے مال کماتا ہے اس کو عبادت کی توفیق تو کیا میسر آتی بل کہ اس کی کی ہوئی عبادتیں اور دعائیں بھی عند اللہ مردود ہو جاتی ہیں، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ پاک ہے، پاک ہی قبول کرتا ہے، اور بے شک اللہ تعالیٰ نے جو حکم اپنے پیغمبروں کو دیا ہے کہ اے رسولو! پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور نیک عمل کرو! وہی حکم اُس نے پیغمبروں کے علاوہ اپنے مؤمن بندوں کو دیا ہے کہ اے ایمان والو! جو ہم نے تمہیں رزق دیا ہے اُس میں سے پاکیزہ چیزیں کھاؤ! اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسے شخص کا ذکر فرمایا جو لمبے سفر میں ہو، بال بکھرے ہوئے ہوں، بدن پر غبار لگا ہوا ہو، آسمان کی طرف ہاتھ اُٹھا کر یارب یارب کہتا ہو، اُس کا کھانا حرام ہو، اُس کا پینا حرام ہو، اُس کا پہننا حرام ہو، تو ان سب چیزوں کے باوجود اُس کی دعا کیسے قبول ہو سکتی ہے؟ (صحیح مسلم: ۱۰۱۵، جامع ترمذی: ۲۹۸۹)

چنانچہ مؤرخین نے لکھا ہے کہ کوفہ میں "مستجاب الدعاء" لوگوں کی ایک جماعت تھی، جب کوئی حاکم اُن پر مسلط ہوتا، اُس کے لیے بد دعا کرتے، وہ ہلاک ہو جاتا؛ حجاج ظالم کا جب وہاں تسلط ہوا تو اُس نے ایک دعوت کی، جس میں ان حضرات کو خاص طور سے شریک کیا اور جب کھانے سے فارغ ہو چکے تو اُس نے کہا کہ میں ان لوگوں کی بد دعا سے محفوظ ہو گیا کہ حرام کی روزی ان کے پیٹ میں داخل ہو گئی۔ (فضائل رمضان: ۲۹)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: "ایک مرتبہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: "یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میرے لیے دُعا کیجیے کہ میں "مستجاب الدعوات" ہو جاؤں!" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: "اپنے کھانے کو پاک کرو!" اللہ کی قسم! جب کوئی شخص حرام کا لقمہ پیٹ میں ڈالتا ہے تو چالیس دن تک اللہ تعالیٰ اُس کا عمل قبول نہیں کرتا جس شخص کا بدن حرام مال سے بڑھا تو اُس کا بدلہ سوائے جہنم کے اور کچھ بھی نہیں ہے۔" (المعجم الاوسط للطبرانی: ٦٤٩٥)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ”جس شخص نے دس درہم کا لباس خریدا؛ لیکن اُس میں ایک درہم حرام کا تھا، تو جب تک یہ لباس اُس کے بدن پر رہے گا، اُس کی نماز قبول نہیں ہوگی۔“ (مسند احمد: ۲/۵۷۳)

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی روایت میں ہے کہ: ”جس نے حرام مال سے کرتا پہنا تو اُس کی نماز قبول نہیں۔ (مسند بزار: ۸۱۹)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ”منہ میں خاک ڈال لینا اِس سے بہتر ہے کہ کوئی شخص حرام مال اپنے منہ میں ڈالے۔“ (شعب الایمان: ۵۳۷۹)

بخاری شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ لوگوں پر ایک ایسا زمانہ بھی ضرور آئے گا جس میں انسان بالکل بے پرواہ ہو کر مال حاصل کرے گا یہ بھی نہیں دیکھے گا کہ وہ حلال طریقے سے آرہا ہے یا حرام راستے سے۔ (بخاری حدیث نمبر 2083) گویا اسی زمانے کی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پیشین گوئی کی ہوگی، آج معاشرے میں جتنی بھی کاروباری سکیمیں اور تجارت کے نئے طریقے رائج ہو چکے ہیں ان میں سے اکثر کے احوال مشتبہ اور گڑبڑ ہیں اور امت مسلمہ کا ایک بڑا طبقہ بے دریغ ان معاملات میں ملوث ہوتا چلا جا رہا ہے، شیئر مارکیٹنگ اور منی اِنوسٹمنٹ وغیرہ کے بابت جو شرعی اصول وضوابط ہیں، شرکت و مضاربت کے جو شرائط ہیں ان کا ذرا لحاظ کئے بغیر سودی کاروبار کی خوب ترویج کی جارہی ہے، اور بہت سارے مسلمان دانستہ و نادانستہ طور پر آپ علیہ السلام کی پیشینگوئی کے مطابق محض مال کے حصول کے لیے اس سودی نظام کے بھونر میں پھنسے ہوئے ہیں، کچھ لوگ تو ایسے بھی ہیں جن کا گزارن ہی سو فیصد سودی سرمایہ پر ہے، قرض دے کر ماہانہ اس کا انٹرسٹ وصول کرنا، بینک میں جمع شدہ مال پر حاصل ہونے والے سود کا استعمال، قرضہ دے کر رہن پر رکھے گئے دکان و مکان میں تجارت وسکونت اختیار کرنا، بیٹنگ ایپلیکیشنز میں پیسہ انویسٹ کر کے جُوّا سٹہ کی شکل میں مال کمانا وغیرہ یہ بلا ریب حرام ہیں، مگر مسلم امہ بڑے شوق کے ساتھ یہ سب کچھ کر رہی ہے۔

اب غور کریں جن جسموں کی نشوونما ہی خالص سودی مال اور حرام رقم سے ہوئی ہو کیا وہ جسم خدا کی بندگی کے قابل ہیں؟ کیا انہیں اللہ اپنے گھر عبادت کے لیے بلائے گا؟ کیا ایسے لوگوں کو حج و زکوۃ کے مواقع فراہم ہوں گے؟ کیا ایسے لوگ اقامتِ دین اور خلافت ارضی کی عظیم ذمہ داری کا استحقاق رکھتے ہیں؟ کیا ان کی نسلوں میں علماء وصلحاء، اتقیاء و اولیاء پیدا ہوں گے؟ ہرگز نہیں! بل کہ ایسی قوم تو خدا کے قہر اور عذابات کا شکار ہو جائے گی، اللہ اپنے دشمنوں کو ان پر تسلط واقتدار عطا فرمائیں گے، ان کے سارے اختیارات سلب کر کے انہیں مقہور و مجبور

ہوکر زندگی گزارنا پڑے گا، اور یہ لوگ ہمیشہ مظالم وآلام کی چکی میں پستے رہیں گے۔

ہم اس زمانے کے مسلمانوں کا سلف سے موازنہ کریں، صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین تو مشتبہ مال کا ایک لقمہ بھی اپنے پیٹ میں چلے جانے پر دنیا وآخرت میں ہلاکت کا اندیشہ کیا کرتے تھے، حضرت ابوبکر صدیقؓ کا ایک غلام تھا، جو غلہ کے طور پر اپنی آمدنی میں سے کچھ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش کیا کرتا تھا، ایک مرتبہ وہ کچھ کھانا لایا اور حضرت نے اس میں سے ایک لقمہ نوش فرمالیا، غلام نے عرض کیا کہ آپ روزانہ دریافت فرمایا کرتے تھے کہ کس ذریعے سے کمایا؟ آج دریافت نہیں فرمایا۔ آپ نے فرمایا کہ بھوک کی شدت کی وجہ سے دریافت کرنے کی نوبت نہیں آئی، اب بتاؤ! عرض کیا کہ میں زمانۂ جاہلیت میں ایک قوم پر گذرا اوران پر منتر پڑھا، انہوں نے مجھ سے وعدہ کررکھا تھا، آج میرا گذر ادھر کو ہوا تو ان کے یہاں شادی ہو رہی تھی، انہوں نے یہ مجھے دیا تھا۔ حضرت ابوبکر صدیق نے فرمایا کہ تو مجھے ہلاک ہی کر دیتا۔ اس کے بعد حلق میں ہاتھ ڈال کر قے کرنے کی کوشش کی، مگر ایک لقمہ وہ بھی بھوک کی شدت کی حالت میں کھایا گیا تھا، نہ نکلا۔ کسی نے عرض کیا کہ پانی سے قے ہوسکتی ہے، ایک بہت بڑا پیالہ پانی کا منگوایا اور پانی پی پی کر قے فرماتے رہے، یہاں تک کہ وہ لقمہ باہر نکال دیا۔ کسی نے عرض کیا کہ اللہ آپ پر رحم فرمائیں! یہ ساری مشقت اس ایک لقمہ کی وجہ سے برداشت فرمائی۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ اگر میری جان کے ساتھ بھی یہ لقمہ نکلتا، تو میں اس کو نکالتا، میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے کہ جو بدن مال حرام سے پرورش پائے، آگ اس کے لیے بہتر ہے۔ مجھے یہ ڈر ہوا کہ میرے بدن کا کوئی حصہ اس لقمہ سے پرورش نہ پا جائے۔ (منتخب کنز العمال، ماخوذ از حکایات صحابہؓ)

آج امت مسلمہ کی زبوں حالی بیان سے باہر ہے، نہ عبادات میں جی لگتا ہے اور نہ ان کی توفیق ملتی ہے، گھر کی عورتیں جن کی کبھی تہجد بھی قضا نہیں ہوتی تھی فرائض ہی کو کبھی کبھی ادا کر رہی ہیں، اور نوجوان نسل کی دینی حالت کا تو پوچھنا ہی کیا! ان تمام کی ایک اہم وجہ یہی حرام وناجائز لقموں کا پیٹ میں داخل ہونا ہے جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ہم سے طاعت کی لذت اور عبادت کی توفیق دونوں چھین لیا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اکل حلال کی توفیق عنایت فرمائے اور حرام بلکہ مشتبہ روزی کے دانے دانے سے ہماری حفاظت فرمائے۔ آمین

اے طائر لاہوتی اس رزق سے موت اچھی
جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی

(علامہ اقبال)

اصلاحی مضامین

قسط دوم

ہم مسلمان نکاح کیسے کریں؟

از: مفتی محمد ابراہیم قاسمی حسامی*

نکاح کرنے کے طریقے:

نکاح کرنے کے چار طریقے ہیں جو حسبِ ذیل ہیں:

اِصالۃً: یعنی نکاح کرنے والا خود ایجاب یا قبول کرے۔ مثلاً لڑکا یا لڑکی دونوں میں سے کوئی ایک دو گواہوں کی موجودگی میں دوسرے سے کہے کہ میں نے آپ سے اتنے مہر کے عوض نکاح کیا اور دوسرا کہے ہاں میں نے قبول کیا۔

وِلایۃً: یعنی نکاح کرنے والے کا ولی، مثلاً اس کا باپ یا دادا، بھائی، چچا وغیرہ (بالترتیب) اس کی طرف سے ایجاب یا قبول کرے، ایسا صرف اس صورت میں ہوتا ہے؛ جب کہ لڑکا یا لڑکی نابالغ ہو۔ اور اس وقت اگر نکاح باپ دادا کے علاوہ کسی دوسرے ولی، مثلاً بھائی، چچا وغیرہ نے کرایا ہے، تب تو ان کو بالغ ہونے کے بعد اختیار ہوگا کہ اس نکاح کو باقی رکھیں یا ختم کر دیں، اور اگر باپ دادا نے کرایا ہے تو یہ اختیار نہیں رہے گا۔ ہاں اگر باپ دادا اپنے فسق وفجور میں مشہور ہوں تو پھر نکاح ختم کرنے کا اختیار ہوگا۔ فقہ کی اصطلاح میں اس کو" خیار بلوغ" کہا جاتا ہے؛ مگر اس کے لیے قضاء قاضی شرط ہے، یعنی شرعی دار القضاء میں جا کر قاضی شریعت کی خدمت میں فسخ نکاح کا درخواست دینا ضروری ہے، قاضی محترم تحقیق کرنے کے بعد فسخ کر سکتے ہیں۔

اجازۃً: اگر لڑکا یا لڑکی بالغ ہو تو اس کی طرف سے اجازت یا وکالت کا ہونا ضروری ہے۔ ہمارے معاشرہ میں عموماً لڑکا اور لڑکی کے والدین، اولیاء وسرپرستان نکاح کراتے ہیں، یہ ایک بہتر اور مستحسن عمل ہے؛ کیوں کہ دونوں کے اولیاء اپنی اولاد کی دینی اور دنیاوی بھلائی دیکھ کر ہی نکاح کرائیں گے۔ اسی وجہ سے شریعت میں ولی کی اجازت کے بغیر کیے گئے نکاح کو ناپسندیدہ سمجھا گیا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اولیاء کو حکم فرمایا ہے کہ وہ اپنی بالغ اولاد کا نکاح ان کی رضامندی کے بغیر نہ کریں۔ "لاَ تُنْکَحُ الأَیِّمُ حَتَّی تُسْتَأْمَرَ، وَ لاَ تُنْکَحُ الْبِکْرُ حَتَّی

* صدر صفہ ایجوکیشنل سوسائٹی رجسٹرڈ وقار آباد، خطیب مسجد نظام الدین سکندر آباد

تُسْتَأْذَنَ ” (بخاری:۵۱۳۶) کیوں کہ ازدواجی زندگی دونوں میاں بیوی کو گزارنی ہے؛ اس لیے ان سے اجازت لی جائے۔ اجازت کا مطلب یہ ہے کہ بالغ لڑکا یا لڑکی اپنے ولی مثلا باپ، دادا، یا بھائی کو اس بات کی اجازت دے دے کہ آپ میرا نکاح فلاں سے کرادیں، یا جس سے چاہیں کرادیں، یا ولی اپنے بیٹے یا بیٹی سے اس بات کی اجازت لے لیں کہ وہ اس کا نکاح فلاں یا فلانہ سے کرانے جا رہا ہے، واضح رہے کہ اگر باپ دادا نے کنواری لڑکی سے اجازت طلب کی اور وہ خاموش رہی تو اس کا خاموش رہنا بھی اجازت کے حکم میں ہوگا۔ بہرحال ایسی صورت میں ولی کو بھی اپنے بالغ بیٹے یا بیٹی کا نکاح کرانے کا یعنی ایجاب یا قبول کرنے کا حق ہوگا۔ اجازت دیتے یا لیتے وقت بہتر ہے کہ دو گواہ بھی موجود ہوں۔

وکالۃً: یعنی نکاح کرنے والا لڑکا یا نکاح کرنے والی لڑکی کسی کو ایجاب وقبول کرنے کا زبانی یا تحریری طور پر وکیل بنادے، مثلاً یوں کہے یا لکھ دے کہ میں نے فلاں بن فلاں کو فلانہ بنت فلانہ سے یا فلاں بن فلاں سے اپنا نکاح کرانے کا وکیل بنادیا اور وکیل اس کی طرف سے ایجاب یا قبول کرے۔ مثلاً یوں ایجاب کرے کہ میں نے اپنی مؤکلہ کو آپ کی زوجیت میں دیا یا میں نے اپنے مؤکل کا نکاح آپ سے کیا۔ قبول اس طرح کرے کہ میں نے اپنے مؤکل یا مؤکلہ کی طرف سے قبول کیا۔ واضح رہے کہ وکیل یا بالغ اولاد کا ولی خود اپنی طرف سے کسی کو نکاح کرانے کی اجازت نہیں دے سکتا ہے اور نہ کسی کو وکیل بنا سکتا ہے؛ اگر کسی نے ایسا کرلیا یعنی ولی نے کسی کو نکاح کرانے کی اجازت دے دی یا کسی کو وکیل بنادیا یا وکیل نے خود کسی دوسرے کو وکیل بنادیا یا نکاح کرانے کی اجازت دے دی اور اس نے نکاح کردیا تو ایسی صورت میں نکاح منعقد نہیں ہوگا۔ ہاں دو صورتیں ایسی ہیں کہ نکاح منعقد ہوجائے گا: (۱) اسی مجلس میں ولی یا وکیل (اول) بھی موجود ہو، (۲) بعد نکاح جب لڑکی کو اس کی اطلاع ہوئی کہ فلاں نے میرا نکاح فلاں سے کردیا ہے تو وہ انکار نہ کرے تو اس کی خاموشی بھی دلالۃً ایجاب کے حکم میں ہوگی اور نکاح منعقد ہوجائے گا۔ (الدر المختار علی رد المحتار: ۳/۸۵، ہندیہ: ۱/۲۹۸)

جدید ٹکنالوجی کے ذریعہ نکاح

ٹیلیفون، موبائل، واٹس ایپ، فیس بک میں، چیٹنگ کے ذریعہ ہو یا آڈیو کانفرنس ہو یا ویڈیو کانفرس ہو نکاح کسی بھی صورت میں منعقد نہیں ہوگا؛ کیوں کہ دونوں کی مجلس ایک نہیں ہے؛ البتہ اگر ان ذرائع کو استعمال کرتے ہوئے کسی کو وکیل بنادیا جائے اور وہ وکیل اپنے مؤکل کی طرف سے گواہوں کی موجودگی میں ایجاب یا قبول کرے تو پھر نکاح منعقد ہوجائے گا۔

کورٹ میریج

کورٹ میں نکاح کرنے کی صورت میں اگر ایجاب وقبول کی ساری شرطیں موجود ہوں تو نکاح منعقد ہوگا، ورنہ نکاح نہیں ہوگا۔ مثلاً اگر متعلقہ افسر کے سامنے صرف کاغذ پر دستخط کردیا، زبان سے ایجاب وقبول نہیں کیا۔ یا دونوں گواہ مسلمان نہیں تھے یا صرف عورتیں گواہ تھیں، تو نکاح منعقد نہیں ہوگا۔

خطبۂ مسنونہ

ایجاب وقبول سے پہلے خطبہ دینا مسنون ہے۔ جس میں سورہ نساء کی پہلی آیت، سورہ آل عمران کی آیت نمبر ۱۰۲، سورۂ احزاب کی آیت نمبر ۷۰، ۷۱، اور سورہ حجرات کی آیت نمبر ۱۳۔ اسی طرح نکاح سے متعلق احادیث مثلاً "النکاح من سنتی" وغیرہ کا پڑھنا بہتر ہے۔

مجلسِ نکاح میں تقریر کرنا

مجلس نکاح میں اردو یا مادری زبان میں تقریر کرنا جس میں نکاح کی فضیلت، مسائل واحکام، اور میاں بیوی کے فرائض وحقوق کو بیان کرنا اور انھیں شریعت کے مطابق زندگی گزارنے کی تلقین کرنا مناسب ہے۔ نیز طلاق وخلع کے نقصانات کو واضح کرنا اور اس کے مسنون طریقہ کو بھی بیان کردینا مناسب ہے۔

میاں بیوی کو مبارکباد دینا

نکاح کے بعد میاں بیوی کو دعا اور مبارک باد دینا سنت ہے، مبارکبادی کے الفاظ حدیث میں اس طرح منقول ہیں: بَارَکَ اللهُ لَکُمَا وَجمعَکُما فِی خَیرٍ۔ ترجمہ: اللہ تعالیٰ اس نکاح میں برکت دے اور تم دونوں میاں بیوی کو خیر میں جمع کردے۔ (بخاری:۶۳۸۶) نکاح کا اعلان کرنا حدیث میں ہے: أَعْلِنُوا هٰذَا النِّكَاحَ، وَاجْعَلُوهُ فِي الْمَسَاجِدِ، وَاضْرِبُوا عَلَيْهِ بِالدُّفُوف۔ (ترمذی:۱۰۸۹)، یعنی کھلے عام نکاح کرو، اس کو مسجد میں کرو اور دف بجاؤ؛ تاکہ لوگوں کو معلوم ہوجائے کہ فلاں اور فلانہ کے درمیان نکاح ہوا ہے۔

نکاح کا وقت

نکاح کا کوئی وقت مقرر نہیں ہے؛ البتہ شوال کے مہینے میں اور جمعہ کے دن نکاح کرنا مستحب ہے؛ کیوں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ماہ شوال میں اور جمعہ کے دن نکاح کرنا منقول ہے۔
(الدر المختار علی رد المحتار: ۳/۸)

ولیمہ کرنا

نکاح کے فوراً بعد چھوارے یا کوئی میٹھی چیز تقسیم کرنا مستحب ہے، اسی طرح نکاح کی خوشی میں ولیمہ کرنا بھی

لڑکے کے لیے مستحب ہے۔اسے چاہیے کہ اپنے اعزہ واقربہ کو اپنی وسعت کے مطابق کھانا کھلائے؛بشرطے کہ کوئی نام ونمود نہ ہواور فضول خرچی نہ ہو۔کھانا کھلانے کے تعلق سے لڑکی یا اس کے گھر والوں پر کوئی چیز واجب یا مستحب نہیں ہے۔ولیمہ کرنے کے نام پر لڑکے والے کا لڑکی والے سے کچھ مانگنا درست نہیں۔اگر وسعت نہ ہوتو ولیمہ ہی نہ کرے؛مگر دوسروں کے سامنے ہاتھ نہ پھیلائے۔

نکاح نامہ کی حیثیت

نکاح نامہ کی حیثیت ایک دستاویز کی ہے،بعض دفعہ اس کی ضرورت پڑتی ہے؛اس لیے نکاح نامہ تیار کرالینا بھی بہتر ہے؛تاہم اس کے بغیر بھی نکاح منعقد ہوجائے گا۔نکاح کا رجسٹریشن کرانا متعلقہ سرکاری دفتر میں جاکر نکاح کا رجسٹریشن کرالینا چاہیے؛تاکہ سرکاری طور پر بھی نکاح کا ریکارڈ رہے؛البتہ رجسٹریشن کیے بغیر بھی نکاح شریعت کی نظر میں صحیح ہوجاتا ہے۔

ایک جاہلانہ رسم

بعض جگہ دیکھا گیا ہے کہ طعام گاہ کے قریب میز(ٹیبل)لگادیا جاتا ہے تاکہ لوگ کھانے سے فارغ ہوکر کچھ رقم جمع کریں۔یہ بھی ایک بیہودہ رسم ہے کہ کھانے کی دعوت پر لوگوں کو جمع کیا جائے اور ان سے ایک مخصوص رقم(کھانے کا بل)وصول کیا جائے۔

بے پردگی:

شادی بیاہ کے موقع پر بے پردگی بہت ہوتی ہے۔ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عورتیں اپنے حسن کی نمائش کررہی ہیں۔واضح رہے کہ پردہ فرض ہے۔اس کی خلاف ورزی بہت بڑا گناہ ہے۔قرآن کا فرمان ہے:*”اے نبی! مومن عورتوں سے کہہ دو کہ اپنی نظریں بچاکر رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں اور اپنا بناؤ سنگھار نہ دکھائیں۔بجز اس کے جو ظاہر ہوجائے۔اور اپنے سینوں پر اپنی اوڑھنیوں کے آنچل ڈالے رہیں اور وہ اپنا بناؤ سنگھار ظاہر نہ کریں۔“(نیز ان کو حکم دو کہ)وہ چلتے وقت اپنے پاؤں زمین پر اس طرح نہ مارتی چلیں کہ جو زینت انھوں نے چھپا رکھی ہے اس کا اظہار ہو“(سورۂ نور:۳۱)عورتوں کے ستر عورتوں کے لئے ستر کی حدود یہ ہیں کہ وہ اپنے چہرے اور ہاتھوں کے سوا تمام جسم کو شوہر کے علاوہ تمام لوگوں سے چھپائیں۔رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:”جب عورت بالغ ہوجائے تو اس کے جسم کا کوئی حصہ نظر نہ آنا چاہئے،سوائے چہرے اور کلائی کے جوڑ تک ہاتھ کے“(ابوداؤد)”نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اللہ کی لعنت ہے ان عورتوں پر جو لباس پہن کر بھی ننگی کی ننگی

رہیں۔" (حدیث) "حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ اپنی عورتوں کو ایسے کپڑے نہ پہناؤ جو جسم پر اس طرح چست ہو کہ سارے جسم کی ہیئت نمایاں ہو جائے۔" مندرجہ بالا تعلیمات کی روشنی میں خواتین کو بے پردگی سے بچنا چاہئے۔ (یہ احادیث ستر سے متعلق ہیں حجاب یعنی اجنبی سے پردے کا حکم اس سے مختلف ہے، اجنبی مرد کے سامنے چہرے کا ظاہر کرنا بھی درست نہیں ہے۔)

تحفہ

تحفہ دینا شریعت میں پسندیدہ ہے لیکن بدلے کی نیت سے نہیں دینا چاہئے۔ یہ بات اسلامی تعلیمات کے خلاف ہے کہ ایک شخص دوسرے شخص کو کوئی چیز تحفے کے طور پر دے چکا ہو، بدلے کی نیت رکھے۔ اس ذلیل حرکت کو حدیث میں اس کتے کے فعل سے تشبیہ دی گئی ہے جو اپنی ہی قئے خود چاٹ لے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اہل ایمان کو اللہ اطاعت کرنے اور شریعت اسلامیہ کی پابندی کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

(بقیہ صفحہ ۶ سے)

ان سب احکامات کا مقصد تم کو گناہوں سے بالکل پاک وصاف کر دینا ہے، مطلب بالکل واضح ہے کہ جو اِن احکامات وہدایات کی پابندی کرتی رہیں گی اللہ تعالیٰ ان کے گناہوں کو بخش دے گا اور آخرت میں عزت وسربلندی عطا فرمائے گا، اور دنیا میں عفت وعصمت اور عزت وسرخ روئی حاصل ہوگی۔ یہ مطلب نہیں کہ ازواجِ مطہرات سب معصوم عن الخطا ہوں گی کہ اُن سے کوئی غلطی ہی نہیں ہوسکتی۔ بل کہ یہ مژدہ سنایا گیا ہے کہ ان احکامات پر عمل کی بدولت اللہ تعالیٰ بخشش کا پروانہ عطا فرمائیں گے۔ اسی طرح اس آیتِ کریمہ میں ازواجِ مطہرات کو اهل البيت سے مخاطب کیا گیا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ نبی کی زوجات اہل بیت میں داخل ہیں، ان کے علاوہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد واحفاد بھی اہل بیت میں شامل ہیں۔ ایسا نہیں ہے کہ صرف ازواج ہی اہلِ بیت ہوں، ایسا بھی نہیں ہے کہ صرف اولاد واحفاد (بیٹے بیٹیاں اور نواسے نواسیاں وغیرہ) ہی اہل بیت ہوں۔

اور آخیر میں یہ ہدایت بھی دی کہ کتاب وسنت کی جو باتیں معلوم ہوگئی ہیں اسے یاد رکھو اس پر عمل کرو اور دوسروں تک پہنچاؤ۔ خواہ خود ہی گھروں میں دین کے مذاکرے کرتی رہو اور اپنے بچوں بچیوں کو دین سکھاتی رہو یا اپنے گھروں میں معتبر علماء سے دین سیکھنے کا نظام بناؤ۔ اور یاد رکھو کہ تمہارے ان احکامات پر عمل کرنے نہ کرنے کو اللہ تعالیٰ اچھی طرح جانتا ہے، وہی اعمال کا صلہ دینے والا ہے۔

گوشۂ آزادی

تحریک آزادی اور علماء ہند کا قابل رشک کردار

ازقلم: مفتی عبدالمنعم فاروقی قاسمی

دنیا جانتی ہے کہ پندرہ اگست ہندوستان کی تاریخ کا اہم ترین، یادگار، پُر مسرت اور تاریخی دن ہے، ۱۹۴۷ کو اسی دن طویل جد جہد اور بلا لحاظ مذہب وملت لاکھوں ہندوستانیوں کی جانوں کے نذرانے کے بعد ملک کی آزادی کا خواب شرمندہ تعبیر ہوا اور ملک کو غاصب وقابض، دھوکہ باز ومکار گوروں کے ظلم وستم سے نجات حاصل ہوئی، یہ کوئی معمولی بات نہیں تھی کہ انتہائی چالاک وسفاک اور مضبوط وطاقتور انگریزوں کو مجبور کیا جائے کہ وہ ملک پر غاصبانہ قبضہ چھوڑ کر واپس چلے جائیں، اپنا پرچم لال قلعہ سے اتار کر لپیٹ دیں اور اپنی شکست تسلیم کرتے ہوئے ان لوگوں کے سامنے ہتھیار ڈالدیں جنہوں نے قوت وطاقت اور اسلحہ وسامان حرب کے زور پر کامیابی حاصل نہیں کی تھی بلکہ ملک کی محبت والفت، جہد مسلسل، عزم وحوصلہ اور آپسی اتحاد واتفاق کی قوت سے ملک کو فتح کیا تھا، قابل تعریف ہیں وہ لوگ جنہوں نے مختلف دین ومذہب اور مسلک ومشرب سے جڑے ہونے کے باوجود ملکی اتحاد واتفاق کا مظاہرہ کرتے ہوئے پے درپے انگریزوں پر حملے کرتے ہوئے انہیں ملک چھوڑنے پر مجبور کیا تھا، ان کی جرأت وبے باکی اور جانبازی وثابت قدمی نے انگریزوں کے ہوش اُڑا دئے تھے، ان کے بلند حوصلوں کے مقابلہ کی تاب نہ لاتے ہوئے بالآخر اُن کے حوصلے پست ہوگئے اور وہ ملک چھوڑ کر چلتے بنے، سلام ہو آزادی کے ان جیالوں پر جنہوں نے اپنے خون کے آخری قطرے تک اور زندگی کی آخری سانس تک وطن کے لئے قربانی دے کر اسے آزادی دلائی، جن کی قربانیاں اور ناقابل فراموش کردار کو تاریخ ہند کبھی فراموش نہیں کرسکتی۔

تاریخ ہند کا ہر ورق گواہ ہے کہ ان سچے محب وطن اور آزادی کے متوالوں نے غاصب انگریزوں کا ہر محاذ پر دیوانہ وار بڑی بے جگری سے مقابلہ کیا تھا اور ہر موڑ پر ان کے ناپاک عزائم کو ناکام بنا دیا تھا، ان غیرت مند آزادی کے دیوانوں نے وطن عزیز کی محبت میں کبھی پھانسی کے پھندے کو چوما تھا تو کبھی بندوق کی تیز وطرّار گولی کھا کر منزل کا پتہ معلوم کیا تھا تو کبھی تلوار کی دھار پر سر رکھ کر آزادی کا نعرہ بلند کیا تھا تو کبھی جلتے ہوئے تنور میں کود

کرآزادی کے شعلے بھڑکائے تھے تو کبھی توپ کے سامنے سینہ تان کر آزادی کیلئے جان کا نذرانہ پیش کیا تھا تو کبھی جیل کی اندھیری کوٹھریوں میں آزادی کے نغمے گنگنائے تھے، غرض ان دیوانوں نے ہر راہ سے گذر کر منزل مقصود تک پہنچنے کی کوشش کی تھیں اور پہنچ کر ہی دم لیا تھا، جس وقت انگریزوں نے اپنی مکاری کے ذریعہ ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت قائم کر لی تھی اور اس کے بعد یہ اعلان کیا تھا کہ ''خلق خدا کی، ملک بادشاہ کا اور حکم کمپنی بہادر کا'' تو اس وقت جنت نشاں ہندوستان مکمل طور پر انگریزوں کے قبضہ میں آچکا تھا، ملک پر انگریزوں کا مکمل تسلط قائم ہو چکا تھا اور ملک کا ہر شہری غلامی کی زنجیر میں جکڑ چکا تھا، ہر طرف بے چینی اور خوف کا ماحول تھا، ہر ایک دوسرے کی طرف دیکھ رہا تھا، بعض لوگ حواس باختہ تھے تو بعض مارے ڈر کے سہمے ہوئے تھے تو بعض غلامی پر راضی اور خوش تھے اور انگریزوں کے آلۂ کار بن کر بزدلی وکم ہمتی کی فضا قائم کرنے میں لگے ہوئے تھے، تاریخِ ہند ان سب کو جانتی اور پہچانتی ہے جنہوں نے ملک کے مفاد میں گردن کٹائی تھی یا اپنے ذاتی مفاد کے لئے گردن جھکائی تھی، ان نازک ترین حالات میں باشندگان ہند کو تسلی دیتے ہوئے، ان میں جوش جہاد پیدا کرتے ہوئے، ان کی پژمردگی دور کرتے ہوئے اور ان کی جان میں نئی جان ڈالتے ہوئے قائدانہ رول ادا کرتے ہوئے سر پہ کفن باندکر، دشمنوں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر نہایت گرجدار آواز میں جہاد کا فتویٰ جاری کیا تھا جس سے انگریزوں کے ایوانوں میں ہلچل مچ گئی تھی اور انہیں ٹھنڈی چھاؤں میں پسینہ آنے لگا تھا، وہ شخصیت کوئی اور نہیں بلکہ مسلمانوں کے عظیم دینی وعلمی رہنما، محدث جلیل امیر الہند نازش وطن شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ تھے، یہ ملک کی آزادی کیلئے جہاد کا سب سے پہلا فتویٰ تھا، تاریخ ہند گواہ ہے کہ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کے فتوے نے پورے ملک میں زبردست ہلچل مچادی تھی، شہر شہر، قریہ قریہ، گلی گلی آزادی کے نعروں سے گونج اُٹھا تھا، ہر طرف بغاوت کے شعلے بھڑکنے لگے تھے، آزادی کے پرچم لہرانے لگے تھے، اس فتوے نے انگریز افسروں کا سکون چھین لیا تھا اور ان کی نیند حرام کر دی تھی، یہ فتویٰ ان پر بجلی بن کر گر پڑا تھا، اس کے بعد ہی علماء ہند نے جہد مسلسل کے ذریعہ ہر جگہ آزادی کی تحریک شروع کرتے ہوئے لوگوں کو انگریزوں کے خلاف جنگ کے لئے میدان میں اتارا تھا، تاریخ ہند کے اوراق گواہ ہیں کہ سب سے پہلے آزادی کی تحریک کی شمع علماء ہی نے جلائی تھی چنانچہ ۱۸۵۷ء کی تحریک میں بے شمار علماء نے اپنی جانبازی کے جوہر دکھائے اور مغرور انگریزوں کے غرور کو خاک میں ملا کر رکھ دیا تھا، اس تحریک میں بانی دارالعلوم دیوبند حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، عالمِ ربانی فقیہ ہند مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سرپرست دارالعلوم دیوبند، مولانا مملوک علی دیوبندی، حافظ ضامن شہیدؒ اور مولانا جعفر تھانیسریؒ نے قائدانہ کردار نبھایا تھا، اسی تحریک کے بعد انگریز افسروں نے اس میں شریک

علماء اور محبان وطن پر انتقامی کاروائیوں کا آغاز کرتے ہوئے ان کے ساتھ وہ ظلم و بربریت کا مظاہرہ کیا تھا اور ایسا دل ہلا دینے والا برتاو کیا تھا جسے سن کر دل دہل جاتا ہے اور درندے بھی کانپ جاتے ہیں۔

مشہور انگریز مصنف سر ایڈ وڈ ٹامسن اپنی مشہور کتاب ''دی اَدَر سائڈ آف دی ماڈل'' میں جنگ آزادی میں شریک ہونے والے علماء کرام کے خلاف انگریزوں کی جانب سے کی گئی سفاکانہ، ظالمانہ اور درندہ صفت کاروایوں کو نہایت تفصیل کے ساتھ لکھا ہے، جسے پڑھ کر آنکھیں نم اور جسم لرزہ براندام ہو جاتا ہے، مسٹر ٹامسن دہلی اور اس کے اطراف و اکناف کے حالات کچھ اس طرح لکھتا ہے کہ'' دہلی اور دہلی کے باہر درختوں کی شاخوں سے پھانسی کے پھندے لٹکا دئے جاتے تھے اور معزز علماء کو لا کر ہاتھی پر بٹھا کر درخت کے نیچے لایا جاتا تھا اور پھندے ان کے گردن میں ڈال کر ہاتھی کو آگے بڑھا دیا جاتا تھا، لاش پھندے میں جھول جاتی، آنکھیں اُبل پڑتیں، زبان باہر نکل جاتی، اس وقت ذبح کئے ہوئے مرغ کی طرح جانکنی کا ہیبت ناک منظر سامنے ہوتا تھا ،اسی طرح تحریک آزادی کے دردناک اور کربناک حالات کو ایک انگریز عورت نے اپنی ڈائری میں کچھ اس طرح لکھا ہے کہ بسا اوقات ان پھانسیوں پر لٹکائے جانے والوں کی لاشیں تڑپ تڑپ کر انگریزی ہندسے 8 بن جاتی تھیں، مسٹر ٹامسن آگے لکھتا ہے کہ ایک مرتبہ میں نے جامع مسجد کے پاس کسی کے جلنے کی بو محسوس کی تو تحقیق حال کیلئے پیچھے گیا تو کیا دیکھا کہ بڑی بڑی دیگیں چولہوں پر چڑھائی گئی ہیں اور اس میں گرم پانی کھول رہا ہے اور قریب بڑی تعداد میں علماء کھڑے ہیں ان میں سے ایک ایک کو باری باری لایا جا رہا ہے اور ان سے کہا جا رہا ہے کہ صرف اتنا کہہ دو کہ تم ۱۸۵۷ء کی جنگ میں شریک نہیں تھے تمہیں چھوڑ دیا جائے گا ورنہ تمہیں اس کھولتے ہوئے پانی میں ڈال دیا جائے گا، مسٹر ٹامسن کہتا ہے کہ مجھے پیدا کرنے والے کی قسم سبھوں نے گرم پانی میں جل کر جان دیدی مگر کسی ایک نے بھی انکار نہیں کیا، مسٹر ٹامسن آگے مزید لکھتا ہے کہ ان میں سے بعضوں کو رسیوں سے جکڑ کر باندھ دیا جاتا اور ان پر توپ داغ دی جاتی جس کے نتیجہ میں جسم کا گوشت بوٹی بوٹی ہو کر فضا میں بکھر جاتا اور زمین پر ان کے خون کی بارش ہونے لگتی تھی''۔

اس قدر سخت ترین اور ناقابل بیان مصائب و آلام کے باوجود ان علماء کے پائے اقدس میں ذرا سی جنبش نہیں آئی بلکہ وہ استقامت کا پہاڑ بن کر آزادی کی جدوجہد کرتے رہے، عظیم مجاہد آزادی تحریک ریشمی رومال کے بانی دارالعلوم دیوبند کے پہلے طالب علم اور اولین صدر المدرسین مولانا محمود حسن دیوبندی المعروف شیخ الہندؒ نے اپنی عالی ذہانت، مدبرانہ سیاست اور قائدانہ قیادت کے ذریعہ تحریک آزادی کو ایک نئی جہت عطا کی آپؒ نے ریشمی رومال کے نام سے ایک عظیم تحریک چلائی اور جمعیۃ الانصار کے نام سے پورے ہندوستان کا ایک

خاکہ مرتب کیا، شیخ الہند کے ساتھ آپ کے شاگرد رشید شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند اور دیگر تلامذہ نے پوری قوت کے ساتھ ملک میں آزادی کی تحریک چلائی اور اسی جرم کی پاداش میں کئی سال مالٹا (کالا پانی) اور دیگر جیلوں کی کوٹھریوں میں گذار دئے ،شیخ الاسلام حضرت مدنی ؒ نے ”ہندوستان چھوڑ دو تحریک“ میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور انگریز فوج میں مسلمانوں کی بھرتی کو حرام ہونے کا فتویٰ دیا اور باوجود گرفتاری وارنٹ کے کراچی میں تحریک آزادی کے جلسہ میں سر پر کفن باندھ کر شرکت فرمائی اور خطاب کے دوران یہ شعر پڑھا۔

لئے پھرتی ہے بلبل چونچ میں گل
شہید ناز کی تربت کہاں ہے؟

معروف مجاہد آزادی اور مشہور عالم دین مولانا جعفر تھانیسریؒ کو انبالہ سازش کیس میں کالا پانی بھیج دیا گیا تھا آپؒ کم وبیش بیس سال گذار کر وطن واپس ہوئے ،مولانا فضل حق خیرآبادی علمی دنیا کے بادشاہ مانے جاتے تھے انگریزوں کے خلاف جہاد کا فتویٰ دینے کے جرم میں گرفتار کر کے جزیرۂ انڈومان بھیج دیا گیا چنانچہ آپؒ نے وہاں پر قید وبند کی صعوبتوں کو برداشت کرتے ہوئے اسی جزیرہ میں جانِ عزیز وطن عزیز کیلئے قربان کر دی اور وہیں پیوند خاک ہوئے ،مولانا یحییٰ علیؒ کو بھی انبالہ سازش کیس میں کالے پانی کی سزا ہوئی آپؒ لاہور، کراچی ،ممبئی کی جیلوں میں منتقل ہوتے رہے ،آخر میں جزیرۂ انڈومان منتقل ہوئے یہاں پر دوسال ایک ماہ گذار کر آپ نے جان جانِ آفریں کے سپرد کر دی اور وہیں پر سپرد خاک ہوئے ،مولانا عبیداللہ سندھیؒ شیخ الہند کے شاگرد رشید اور تحریک ریشمی رومال کے علمبردار تھے ،آپؒ نے پوری زندگی جلاوطنی میں گذار دی ،آزادی کیلئے ہزاروں مصیبتوں کو برداشت کیا ،افغانستان ،ترکی ،روس ،عرب اور ایران جا کر تحریک آزادی کی کامیابی کیلئے راہیں تلاش کرتے رہے ،مولانا احمد علی لاہوریؒ فن تفسیر میں اپنی مثال آپ تھے ،آپؒ تحریک آزادی میں حضرت شیخ الہندؒ کے ساتھ وابستہ رہے ،سرکاری فائل میں جو ریشمی رومال تحریک سے متعلق ہے سب سے پہلے نام آپ ہی کا ہے۔مولانا حفظ الرحمن سیوہاریؒ نیشنلسٹ مسلمانوں کے مجاہدِ اعظم ،شعلہ بیاں مقرر اور آتشِ نوا خطیب تھے مسلمانوں کے انتہائی طاقتور لیڈر جانے جاتے تھے ،گاندھی ، پنڈت جواہر لال نہرو کے معتمد اور کانگریس ورکنگ کمیٹی کے ممبر بھی تھے ،تحریک آزادی میں آپ کی بے مثال قربانیوں کی ایک لمبی فہرست ہے جو کتاب آزادی کے ہر صفحہ پر موجود ہے ،آزادی کے بعد آگ وخون کی ہولی میں آپ نے ہندوستان اور ہندوستانی مسلمانوں کی عظیم الشان خدمت انجام دی ہے ،مسلمانوں نے اپنے اس عظیم قائد کو مجاہد ملت کا خطاب دیا تھا۔مولانا ابوالکلام

آزادؒ ہندوستان اور کانگریس کے بلند پایہ لیڈر تھے، خداداد صلاحیتوں کے مالک اور مفسر، محدث، شعلہ بیاں مقرر اور مایہ ناز صاحبِ قلم تھے، آپ کی تقریریں انگریزوں پر بم سے زیادہ خطرناک ثابت ہوتی تھیں، پوری زندگی انگریزی حکومت واقتدار کے خلاف جہاد میں گذاردی، ہندوستان کے آزاد ہونے کے بعد نوسال تک مرکزی حکومت میں وزیر تعلیم رہے، مولانا سید محمد میاںؒ مشہور عالم دین اور جامعہ قاسمیہ شاہی مرادآباد میں حدیث کے استاذ تھے، آپ کو انگریزوں سے گویا ازلی دشمنی تھی، آپ نے کئی بار برطانوی جیلوں کی سیر کی، آپ کی اہم تصنیف ''علماء ہند کا شاندار ماضی'' تین جلدوں پر مشتمل ہے، تحریک آزادی کے یہ چند سرخیل ہیں جن کے کارناموں کا سرسری تذکرہ کیا گیا ہے، ان کے علاوہ اور بے شمار علماء مجاہد آزادی ہیں جنکی تفصیلات تاریخ کی معتبر کتابوں میں موجود ہیں ان میں سے چند یہ ہیں مولانا محمد علی جوہر، مولانا حسرت موہانی، مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی، مفتی کفایت اللہ دہلوی، مولانا احمد سعید دہلوی، مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری اور علامہ انور صابری رحمہم اللہ۔

حقیقت نگاہی سے تحریک آزادی کی صحیح تصویر پر نظر ڈالی جائے تو پتہ چلتا ہے کہ سب سے پہلے آزادی کیلئے جگانے والے، مایوس اور شکستہ دلوں کو بیدار کرنے والے، جسمِ ناتواں میں توانائی ڈالنے والے اور قوم کو وطن پرستی کا پاٹ پڑھا کر سفاک وچالاک اور ظالم وغاصب قوم سے لڑنے کا حوصلہ دلانے والے کوئی اور نہیں بلکہ علماء ہند ہی تھے، غرض ان ہی حضرات نے تحریک آزادی کا آغاز بھی کیا اور تقریباً نصف صدی تک تن تنہا اس تحریک کو جاری بھی رکھا اور اس طویل مدت میں کبھی بھی انگریزوں کو تختِ غاصب پر چین سے بیٹھنے نہیں دیا، سچ یہ ہے کہ ہندوستان کی آزادی میں جتنا مسلمانوں اور ان کے مذہبی رہنماؤں یعنی علماء نے خون بہایا اتنا کسی دوسروں نے اپنا پسینہ بھی نہیں بہایا۔

پتا پتا بوٹا بوٹا حال ہمارا جانے ہے
جانے نہ جانے گل ہی نہ جانے باغ تو سارا جانے ہے

مگر افسوس ہے ان متعصب مؤرخین پر جنہوں نے تحریک آزادی کے سنہرے واقعات کو تحریر کرنے میں تعصب کا مظاہرہ کیا جس پر انہیں تاریخ کبھی معاف نہیں کرے گی، یہ انکی علماء اور مسلمان دشمنی نہیں بلکہ تحریک آزادی کے سورماؤں سے دشمنی ہے اور آزادی کے جانبازوں سے دشمنی ملک سے دشمنی کے مترادف ہے، آزادی کی تاریخ مسخ کرنے والے نئی نسل کے ذہنوں میں یہ بات بٹھانا چاہتے ہیں کہ ملک کی تحریک آزادی میں مسلمانانِ ہند اور ان کے مذہبی علماء کا کوئی کردار نہیں رہا ہے بلکہ آزادی ہند صرف غیر مسلموں کی دین ہے، یہ تعصبیت، مذہبی دشمنی اور شخصی مفادات کے حصول کے لئے اوچھی حرکتیں ہیں، حالانکہ یہ بات واضح ہوچکی ہے کہ

جب سے ملک آزاد ہوا ہے تب سے کچھ لوگ مسلسل اسی کام میں لگے ہوئے ہیں اور اپنے زبان و بیان اور خونی قلم کے ذریعہ مسلمانوں کے تئیں نفرت کی آگ کو ہوا دینے میں مصروف ہیں اور مذہبی منافرت کا بیج لوگوں کے دلوں میں بوتے ہوئے اپنے شخصی مفادات کے حاصل کرنے میں لگے ہوئے ہیں، ان کی تنگ نظری دیکھئے کہ انہوں نے سب سے پہلے تاریخ آزادی سے مسلمانان ہند اور علماء کرام کی نا قابل فراموش قربانیوں کو حذف کرنا شروع کیا، پھر یوم آزادی و یوم جمہوریہ کے جلسوں میں ان کا تذکرہ کرنا بند کیا اور صرف مخصوص مجاہدین آزادی کا تذکرہ کرنے پر اکتفاء کرتے رہے تا کہ نئی نسل کے ذہنوں میں یہ بات بیٹھ جائے کہ آزادی ہند کے لئے صرف ان ہی لوگوں نے قربانیاں دی ہیں، پھر دھیرے دھیرے متعصبین نے نصابی کتابوں سے ان کے تذکرے ہٹادئے اور اب بڑی جرأت کے ساتھ عوامی جلسوں میں جھوٹ بلکہ سفید جھوٹ بول رہے ہیں کہ ملک کو آزادی صرف انہیں کے آباواجداد نے دلائی ہے، لیکن انہیں یاد رکھنا چاہیے کہ جس طرح سورج کی روشنی کو چھپایا نہیں جاسکتا اسی طرح ہندوستان کی تاریخ تحریک آزادی سے علماء اور مسلمانوں کی قربانیوں کو مٹایا نہیں جاسکتا، تعصبیت، نفرت اور منافرت کے اس دور میں ہم کو متحدہ طور پر اس منظم سازش کو بے نقاب کرنے اور منافرت پھیلانے والوں کے ناپاک عزائم کو ناکام کرنا ہوگا، باشندگان ہند کی ملکی، جمہوری اور اخلاقی ذمہ داری ہے کہ وہ ان متعصبین کے خلاف جمہوریت کے دائرہ میں رہتے ہوئے صدائے احتجاج بلند کریں اور حکومت اور اس کی کرسیوں پر جو لوگ بیٹھے ہوئے ہیں وہ دراصل انہی مجاہدین کی مرہون منت ہیں سے مطالبہ کریں کہ ان متعصبین کو لگام دیں اور انہیں تحریک آزادی کی تاریخ مسخ کرنے سے روکیں اور خصوصاً مسلمانوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ زبان وقلم کا سہارا لے کر اور سوشل میڈیا کے ذریعہ صحیح تاریخ آزادی کو باشندگان ہند تک پہنچائیں اور اس کے ذریعہ حقیقت کو سامنے لاتے ہوئے منافرت پھیلانے والوں کا مکروہ چہرہ بے نقاب کریں، اسی طرح نئی نسل کو اپنے آباء واجداد کی تاریخ سے واقف کرائیں، نیز متمول مسلمان، دینی ورفاہی تنظیموں کے ذمہ داران مجاہدین آزادی کے نام سے اداروں کو موسوم کریں، ان کے ناموں سے پروگرام منعقد کریں اور انعامی ایوارڈ کے ذریعہ ان کے ناموں کو زندہ رکھنے کی کوشش کریں، یقیناً اس طرح کی کوششوں سے تاریخ کی حفاظت بھی ہوگی، سچائی سامنے آئے گی، جس سے نفرتیں کم ہوں گی اور بدگمانیوں کا خاتمہ ہوگا اور سب سے بڑھ کر ان کی قربانیوں کے تذکروں سے نئی قوت حاصل ہوگی اور ملک کی ترقی وحفاظت اور اسے بلندیوں تک پہنچانے کا جذبہ پیدا ہوگا، یقیناً آزادی کے جیالوں سے سچی محبت ملک سے محبت کے مترادف ہے اور ان سے دشمنی ملک سے دشمنی کے مترادف ہے۔

افاداتِ اکابر

تیری رہبری کا سوال ہے!

خطاب: حضرت الاستاذ مفکرِ ملت مولانا مصدق القاسمی صاحب ادام اللہ بقاہ

جمع وترتیب: مولانا محمد عمر قاسمی کاماریڈی*

(۱) علماء کرام وارثین انبیاء اور نائبین رسول ہیں

حضرات انبیاء علیہم السلام جس مقصد سے دنیا میں مبعوث ہوئے تھے، وہ مقصد ہمیشہ علماء کے پیش نظر رہنا چاہیے، اگر وہ مقصد ائمۂ مساجد اور خدامِ دین کے سامنے رہے گا تو پھر حالات کتنے ہی پرخطر اور ناموافق کیوں نہ ہو، ان تمام حالات میں دین کا صحیح کام ہوسکتا ہے؛ کیوں کہ تاریخ شاہد ہے کہ جب بھی انبیاء کرام علیہم السلام نے دین کی اور ایک اللہ کی دعوت دی ہے پھولوں کی سیج نہیں؛ کانٹوں کے انبار تھے، قوم کی طرف سے ابتدا میں کسی بھی نبی کا استقبال نہیں ہوا؛ ہمیشہ انہیں ایذاء پہونچائی گئی اور بالخصوص ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تو شاعر کہا گیا، کاہن بتلایا، مجنون قرار دیا، کانٹے بچھائے گئے، اوپر سے پتھر گرانے کی سازشیں رچی گئیں، زہر دیا گیا، یہ سب کچھ ہوا؛ لیکن کبھی کوئی حرفِ شکایت زبان پر نہ آیا؛ لہذا جب علماء کرام کو وراثت نبوی کا حق دار بتایا گیا تو ان کے لئے یہ بات بالکل روا اور مناسب نہیں کہ نا مساعد حالات سے پریشان ہوکر شکایتیں کرنے لگے؛ بلکہ حالات کی سنگینی میں بھی دین پر جم کر خدمتِ دین کا فریضہ انجام دینا چاہیے؛ یہی مزاج نبوت ہے۔

(۲) صبر وتحمل کا لباس زیب تن کرلیں

جب خدمتِ دین کو اپنا مشن بنا کر میدانِ عمل میں اتر گئے تو پھر صبر و برداشت سے آراستہ ہوجانا چاہیے، لوگوں کی اول فول بکواس اور دشنام طرازیوں کی پرواہ کیے بغیر اور مصلیوں کی تلخ نوائی اور سخت کلامی پر بے قابو ہوجانے کے بجائے صبر کا دامن تھامے رکھنا چاہیے اور اپنے بزرگانِ دین اور سلف صالحین کی قربانیوں سے بھری زندگیوں کو پڑھنے کی ضرورت ہے، اور بالخصوص امام احمد بن حنبلؒ کی بے مثال ولاجواب ثابت قدمی اور مستقل مزاجی ہمیشہ پیش نظر رہنی چاہیے، کہ ان پر مسئلۂ خلقِ قرآن کا انکار کرنے کی پاداش میں وہ ظلم وتعدی اور جور وستم

* فاضل دارالعلوم دیوبند

ڈھائے گئے اور کوڑے مارے گئے کہ تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ اگر ایک کوڑہ ہاتھی پر مارا جاتا تو وہ بھی بلبلاتا، ایسے سو کوڑے مارے جاتے ہیں تب بھی آپ کے پائے ثبات میں ذرا بھی لغزش نہ آئی، ان سب کے باوجود آپؒ اپنے مسلک ومشرب پر بالکل جمے رہے، لہذا ہمیں بھی حالات کی سنگینی کا رونا رونے کے بجائے اولوالعزم شخصیات کو پڑھنا چاہیے؛ کیونکہ انہوں نے اعلاءِ کلمۃ اللہ کے لئے صبر واستقامت اور عزم واستقلال کا وہ مظاہرہ پیش کیا جو نو فارغین کے لئے لائقِ تقلید امر اور بہترین نمونہ ہے۔

(۳) عالم دین کو قطب نما ہونا چاہیئے

مفکر اسلام حضرت علی میاں ندویؒ رقم طراز ہیں کہ عالم دین کو قطب نما ہونا چاہیے؛ کیوں کہ اس کی دو خصوصیات بہت ممتاز ہے: (۱) مثلاً آپ سفر میں ہو حضر میں ہو، گاڑی میں ہو کہیں بھی ہو وہ اپنا کام (راستہ بتانا) نہیں چھوڑتا؛ بلکہ ہمیشہ صحیح سمت بتاتا ہے ایسے ہی ہمیں بھی احوالِ زمانہ کے فرق کے بغیر صحیح راہ بتانا ہے، دین کا صحیح پیغام ان تک پہونچنا ہے۔ (۲) دوسری خصوصیت: قطب نما اپنی رہنمائی میں امیر وغریب کا فرق نہیں کرتا کہ تمہارا قبلہ ادھر ہے اور غریب کا قبلہ ادھر، اس لئے علماء کرام کو چاہیے کہ وہ اپنی ذات کے اعتبار سے امیر و غریب کے تعلق میں بھید بھاؤ نہ کریں؛ یکساں سلوک کریں؛ ورنہ ہوتا تو یہ ہے کہ ہم امتیازِ امیر وغریب کے چکر توہینِ علم کے مرتکب ہو جاتے ہیں؛ نیز علم دین کی قدر و قیمت سے نا آشنا مالداروں کا دروازہ کھٹکھٹانے سے احتراز کرنا چاہیے اور بالخصوص آج کے دور میں اپنے اندر صفتِ استغناء پیدا کرنے کی اشد ضرورت ہے، کبھی مخلوق پر نظر نہ جائے، مخلوق سے امیدیں قائم کرنے کے بجائے خالق سے تعلق استوار کرنا چاہیے، اس سلسلہ میں سلفِ صالحین اور علماء کاملین کی بے شمار مثالیں ہمارے سامنے موجود ہیں؛

حضرت سعید حلبیؒ جامع اموی میں درس دے رہے تھے، ایک مرتبہ حضرت سعید حلبیؒ کے پیر میں کچھ تکلیف تھی پیر پھیلائے ہوئے درس دے رہے تھے، دورانِ درس شام کا گورنر (جو بڑا جلاد اور سفاک تھا) آیا، تو آپ نے اپنا پیر سمیٹا نہیں، تو تمام شاگرد گھبرا گئے اور ڈرنے لگے کہ کہیں ظالم وسفاک ہمارے شیخ کی گردن نہ اڑا دے، اور اس کے خون کے چھینٹے ہم پر پڑیں؛ لیکن استغناء اس درجہ تھی کہ پیر علی حالہ باقی رکھا، پھر وہ چلا گیا اور حضرتؒ کی خدمت میں اشرفی وغیرہ کی ایک تھیلی بطورِ ہدیہ بھیجی، تو حضرت نے آنے والے قاصد سے کہا: واپس لے جاؤ اور یہ کہہ کر دے دو: "جو لوگوں کے سامنے پیر پھیلاتا ہے وہ ہاتھ نہیں پھیلاتا" اللہ اکبر! یہ تھی ہمارے اکابر کی استغناء اور بے نیازی۔

(۴) امت پر رحم کا جذبہ ہو

اللہ ربّ العزت والجلال کا ارشاد ہے: اَلرَّحۡمٰنُ ﴿۱﴾ عَلَّمَ الۡقُرۡاٰنَ یہاں پر باری تعالیٰ نے صفتِ رحمان کا تذکرہ کیا ہے؛ اگر وہ چاہتے تو لفظ "اللہ" بھی ذکر کر دیتے، یا اپنی اور کوئی صفت مثلاً **الغفور** بھی کہہ سکتے تھے؛ لیکن آپ اہل علم جانتے ہیں کہ یہاں صفتِ رحمان کے ذکر کا تقاضا یہ ہے کہ اس کا فضل مطیع وفرمانبردار اور سرکش ونافرمان ہر ایک پر عام ہے۔ تو جہ طلب امر یہ ہے کہ یہاں رب رحمٰن نے تعلیمِ قرآن کی نسبت کے ساتھ صفتِ رحمٰن کو ذکر کیا ہے بہ قول صاحب روح المعانی کے، قرآن پڑھانے والے کو رحمٰن والی صفت اپنے اندر پیدا کرنا چاہیے، ایسا نہیں ہونا چاہیے کہ ماننے والوں کو پڑھائے اور نہ ماننے والوں کو اپنے مدرسہ سے نکال دیں؛ بلکہ معلم کی طبیعت میں شفقت ومہربانی امت کے لئے بھی آنا ہے اور اپنے طلباء کے لئے بھی، یہ مزاج اگر ہم اپنا بنالیں تو ان شاء اللہ درس وتدریس میں بڑی کامیابی ہوگی۔

(۵) علماء کو مثل چراغ کے ہیں

عربی کا ایک مقولہ ہے: العلماء مصباح هذه الامة (علماء کرام اس امت کے چراغ ہیں) یعنی جس طرح موم بتی سب کو روشنی دیتی ہے؛ لیکن خود پگھلتی ہے، چراغ میں تیل جلتا ہے تب جا کر روشنی ہوتی ہے ایسے ہی علماء کو خود کو مٹانا چاہیے، اپنے آپ کو مٹا کر قوم کو روشنی پہونچانا ہے، اس طرح ہم کریں گے تو ان شاء اللہ روشنی کے پھیلانے والوں میں ہم بھی شامل ہو جائیں گے۔

(٦) اپنے تمام اعمال وخدمات پر اخلاص کا رنگ چڑھانا:

کام میں اخلاص نہ ہو تو کتنی تحریکیں بن جائے کام نہیں چلتا، پوری دنیا میں تبلیغی جماعت کا جو کام چل رہا ہے وہ حضرت مولانا الیاس صاحبؒ کے اخلاص کا اثر ہے اسی طرح اگر ہم کوئی تحریک لیکر چلیں (مثلاً تحریکِ علماء ہو، جمعیۃ العلماء ہو، یا لجنۃ العلماء ہو) اگر ہم اس میں اپنی شان بگھارنے کے لئے، اپنے عہدوں کے لئے کام کریں گے تو یاد رکھنا کہ وہ کام نہیں ہوگا ہاں! اگر کام ملت کے مفاد کے پیش نظر ہو اور اخلاص ہو کہ (اللہ دیکھ رہے ہیں مخلوق نہیں) تو ان شاء اللہ وہ کام ترقی کرے گا۔

اللہ تعالیٰ ہمیں توفیقِ عمل ارزانی فرمائے اور پاک دامنی کے ساتھ اخلاص واستقامت کی دولت نصیب فرمائے آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

فقہ وفتاویٰ

آپ کے شرعی مسائل

از: مفتی محمد ندیم الدین قاسمی*

عملیات کے ذریعہ کسی کو مجرم قرار دینا

سوال: عملیات کے ذریعہ سے کسی کو واقعتا مجرم یا چور سمجھنا کیسا ہے؟ جائز ہے یا نہیں؟

جواب: عملیات کے ذریعہ سے کسی کو متہم مجرم یا چور سمجھنا بالکل ناجائز اور بدگمانی ہے، ایسے عملیات سے اجتناب کرنا چاہیے؛ کیوں کہ اس سے عقائد فاسد ہوتے ہیں اور تہمت و بہتان کا دروازہ کھلتا ہے۔

لہٰذا اس کے ذریعہ کسی کو چور قرار دے کر اس سے مال مسروقہ وصول کرنا، اس کو گرفتار کر کے سزا دینا اور ذلیل ورسوا کرنا جائز نہیں ہے۔ (محقق ومدلل جدید مسائل، ۱/۷۵)

تعویذ پہننا

سوال: کیا تعویذ پہننا جائز ہے؟

جواب: علمائے کرام نے تعویذ کو تین شرطوں کے ساتھ جائز قرار دیا ہے: ۱۔تعویذ، کلام الٰہی، اسمائے الٰہی اور صفات الٰہی سے ہو۔ ۲۔عربی زبان میں اور ایسے کلمات کے ذریعہ سے ہو جن کے معانی معلوم ہوں۔ ۳۔اعتقاد یہ ہو کہ یہ بذات خود مؤثر نہیں؛ بلکہ مؤثر حقیقی اللہ کی ذات ہے، اگر اس کی مشیت ہو تو اسے اثر انداز بنا سکتا ہے ورنہ نہیں۔ (محقق ومدلل جدید مسائل، ۱/۹۷)

بیع مناقصہ ومزایدہ کا شرعی حکم

سوال: بیع مناقصہ ومزایدہ کا شرعی حکم کیا ہے؟ جائز ہے یا نہیں؟

جواب: مناقصہ یہ مزایدہ کی ضد ہے، مزایدہ یہ بائع کی جانب سے ہوتا ہے اور مشتری بولیاں لگاتے ہیں، جو بھی زیادہ بولی لگا دے اس کے حق میں بیع منعقد ہو جاتی ہے، اور مناقصہ میں مشتری کی طرف سے طلب ہوتی ہے، آج کل حکومت کی طرف سے ٹینڈر نوٹس آتے رہتے ہیں، مثلاً حکومت نے یہ اعلان کیا کہ ہمیں کسی تعلیم گاہ میں استعمال کرنے کے لئے، ہزاروں کرسیوں کی ضرورت ہے، لہٰذا ٹینڈر دیں کہ کون کتنے میں دے گا، تو اس

* استاذ شعبہ عالمیت ادارہ ہذا

میں کم قیمت لگانے کی دوڑ ہوتی ہے، جس کسی کی قیمت سب سے کم ہوتی ہے، اس کا ٹینڈر منظور کرلیا جاتا ہے، یہ جائز ہے۔(محقق ومدلل جدید مسائل،۱/۳۴۶)

پوسٹ مارٹم کا شرعی حکم

سوال: پوسٹ مارٹم کا شرعی حکم کیا ہے؟

جواب: پوسٹ مارٹم میں میت کی بے حرمتی اور انسانیت کی توہین ہوتی ہے؛ لہذا یہ شرعا ممنوع ہے، اگر قانونی طور پر ضروری ہو تو بر بنائے مجبوری اس کی گنجائش ہے۔(محقق ومدلل جدید مسائل،۱/۵۰۷)

محرم الحرام کو غم کا مہینہ سمجھنا

سوال: اکثر لوگ محرم الحرام کے ابتدائی دس دنوں کو منحوس سمجھتے ہیں، اور غم مناتے ہیں، خوشی کا کوئی کام نہیں کرتے؛ جیسے نیا کپڑا پہننا، شادی وغیرہ کرنا، اس کا شرعی حکم کیا ہے؟

جواب: محرم کو غم کا مہینہ سمجھنا، شیعوں کی رائج کردہ بدعات میں سے ہے، اسلام میں اس کی کوئی اصل نہیں، اور اس مہینہ میں خوشی کا کام انجام دینے کی کوئی ممانعت قرآن وسنت میں قطعا موجود نہیں ہے، اور کسی مہینہ میں کسی حادثۂ شہادت کی وجہ سے وہ مہینہ منحوس نہیں کہلایا جاسکتا۔(کتاب النوازل،۱/۴۹۴)

کیا قادیانی لوگ کافر ہیں؟

سوال: کیا قادیانی لوگ کافر اور خارج اسلام ہیں، ان سے تعلق رکھنا کیسا ہے؟

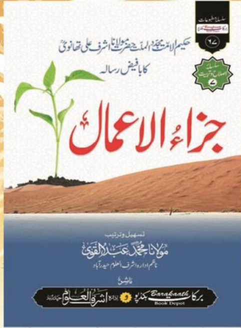
جواب: مرزائی فرقہ (جو قادیانی اور احمدی کے نام سے مشہور ہے) ختم نبوت کے انکار اور دیگر کفریہ عقائد باطلہ کی بنا پر باتفاقِ تمام علماء، مرتد اور خارج اسلام ہے، ان کے ساتھ میل جول رکھنا، ان کی تقریبات میں شریک ہونا، اسی طرح ان کی غمی وخوشی میں شرکت کرنا، قطعا ناجائز ہے(کتاب النوازل،۲/۲۷)

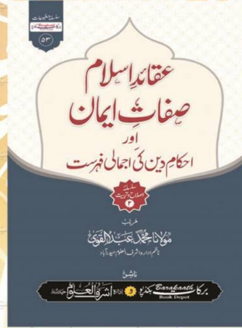
مودودی صاحب کی تفسیر

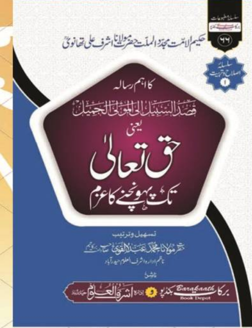
سوال: ابوالاعلی مودودی صاحب کی تفسیر کے بارے میں کیا رائے ہے؟ عوام کو اس کا مطالعہ کرنا کیسا ہے؟

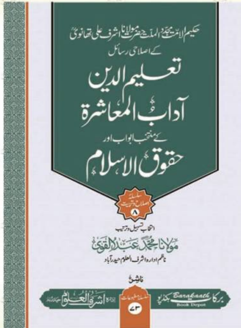
جواب: مودودی صاحب کی تفسیر ''تفہیم القرآن'' میں بہت سی باتیں، اہل حق، اہل سنت والجماعت کے بالکل خلاف ہیں، ان کو اس انداز سے لکھا گیا ہے کہ ایک عام آدمی، صحیح اور غلط میں تمیز نہیں کرسکتا، اس لئے عوام کو اس تفسیر کا پڑھنا جائز نہیں، اس کے بجائے'' معارف القرآن'' (مفتی شفیع عثمانی صاحبؒ) اور'' بیان القرآن'' (مولانا اشرف علی تھانویؒ) کا مطالعہ کرنا چاہیے۔(مستفاد از: کتاب النوازل،۲/۱۵۶)

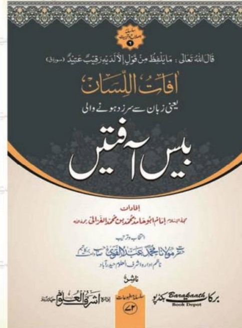
ASHRAFUL JARAID MONTHLY Rs20/-
RNI No: APURD/2007/24089 Postal. No: HSE/884/23-25
Date of Publication 3rd Aug-23, date of Posting 5th Aug-23

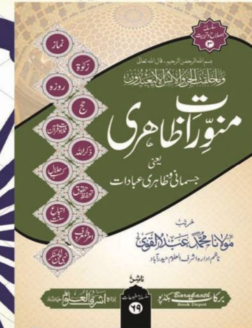


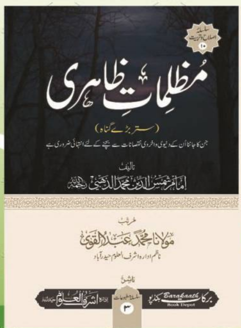


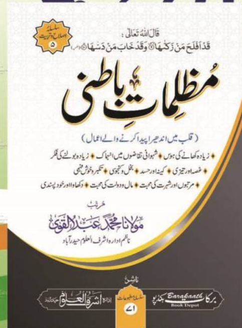


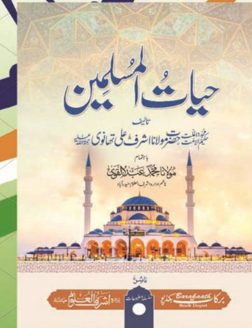












Printer, Publisher & Owner: Mohd Abdul Qavi, # 17-1-391/2, Khaja Bagh, Sayeedabad Colony, Hyderabad- 500059
Published from: # 17-1-391/2, Khaja Bagh, Sayeedabad Colony, Hyderabad- 500059
Editor : Mohammed Abdul Qavi. Printed at: Aish Offset Printers, Cellar Masjid-e-Meraj, Sayeedabad, Hyd-59